

تقدیم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانوں کو عقیدہ و عمل میں راہ راست پر گامزن رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ انبیاء اور رسولوں کی اطاعت کے توسط سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کا نظام قائم کرنا اس کا بنیادی ہدف اور مقصد ہے اور جس نے بھی اس راہ اعتدال سے انحراف کیا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کو عبادت کا اصل محور قرار دیا گویا اس نے طاغوت کو اپنا لیا ہے کہ اسے وہ مقام دے رہا ہے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ قرآن مقدس نے طاغوت کے انکار اور اللہ جل مجدہ کو ماننے کا حکم دیا ہے اور اسی عقیدہ کو ایک مضبوط کڑا قرار دیا ہے، جسے تھامنے والا کبھی گم راہ نہ ہوگا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرة: ۲۵۶)

اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر قائم رہنے کے لئے ”طاغوت“ کا پہچانا انتہائی ضروری اور لازم ہے ”وبالاضداد تبیین الاشیاء“
شیخ عبدالمعصومی طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مبارکہ کی تفسیر و توضیح میں ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں امام ابن تیمیہ اور دیگر علماء و مفسرین کے حوالہ جات سے اپنی آراء کو مدلل و مشید کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر شفیق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رسالہ کی سلیس اور آسان اردو میں تلخیص پیش کی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مؤلف اور مترجم کو اجر جزیل عطا کرے۔ وهو الموفق

محمد رفیق اثری

۱۴۳۲/۲/۲۹ھ

شیخ الحدیث دارالحدیث محمدیہ، جلال پور پیر والا، ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله، اعوذ بالله
السميع العليم من الشيطان الرجيم: ﴿وَكَذَلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ وَ
لِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ﴾ (الانعام: ۵۵)

قرآن الفرقان ہے یعنی یہ حق و باطل میں فرق بیان کرتا ہے، یہ نہ صرف مؤمنین و صالحین کے رستے کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ گمراہوں اور مجرموں کے راستوں کی بھی وضاحت کرتا ہے، باطل راہوں کی وضاحت بذریعہ تنقید بے حد ضروری ہے تاکہ اہل حق کا راستہ واضح ہو، یہ دعوت اسلامی کے واضح خطوط ہیں جن پر ہمیں چلنا ہے۔

دعوت الی اللہ کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے حق کو متعارف کرایا جائے اور مجرمین کے راستوں پر تنقید کر کے ان کی کمزوریاں واضح کی جائیں اور دونوں کے درمیان جو فرق و امتیاز ہے اسے کھول کر بیان کیا جائے، یہ فرق و امتیاز عالم واقع میں بھی ہو، حقیقی ہو، محض نظریاتی نہ ہو، اس لیے داعیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس ماحول میں وہ کام کر رہے ہیں ان میں مؤمنین کون ہیں اور مجرمین کون ہیں؟ ان مجرمین کا طریق کار اور منہج کیا ہے اور ان کی علامات کیا ہیں؟ تاکہ ان کے ذہن میں دونوں راستوں کے اندر کوئی شبہ و التباس نہ ہو۔ نہ عنوان ایک ہو، نہ صفات اور خدو خال ایک ہوں، مؤمنین اور مجرمین ایک دوسرے سے اچھی طرح ممتاز ہوں۔

دعوت الی اللہ کی تحریک کا آغاز یوں کیا جانا چاہیے کہ ابتداء ہی سے مؤمنین اور مجرمین کی راہیں علیحدہ اور متعین ہو جائیں، اہل دعوت جب کام کا آغاز کریں تو بغیر کسی مداخلت کے حق اور صداقت کا اظہار دونوں الفاظ میں کریں، وہ بغیر کسی خوف اور لاگ لپٹ کے بات کریں، ان کی بات میں کوئی پیچیدگی نہ ہو اور وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ

ڈریں، ان کے دل میں کوئی خوف اور ڈر نہ ہو، نہ وہ اپنے دل میں اس بات کا خوف پیدا ہونے دیں کہ ان کے خلاف کوئی مخالف آواز اٹھے گی اور یہ کہا جائے گا ”دیکھو یہ لوگ تو ”کلمہ پڑھنے والوں“ کی تکفیر کرتے ہیں۔“ دعوتی حضرات کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اس ہدف سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹیں چاہے طواغیت کی جانب سے کتنی سختی کیوں نہ ہو ورنہ وہ اس حقیقی دعوت سے بالکل کٹ جائیں گے اور اس سے خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

اس رسالے کی تدوین کا عمومی ہدف انسانوں کو اللہ واحد کی عبادت کی طرف لانا اور انہیں طاغوت کی بندگی سے بچانا ہے۔ آج کل انواع و اقسام کے طاغوت پھیلے ہوئے ہیں اور اکثر لوگ ان کے فتنہ کا شکار ہیں۔ یہ طواغیت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بذات خود الہ ہونے کے دعویدار ہیں اور مختلف طریقوں سے دن رات بندوں کو اپنا غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ میں نے شیخ عبدالمعظم مصطفیٰ حلیمہ حفظہ اللہ کی کتاب ”الطاغوت“ کی تلخیص کرنے کے ساتھ ساتھ شیخ احمد بن محمود الخالدی حفظہ اللہ کی کتاب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں طواغیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے افعال و صفات کا بیان ہے۔ شریعت کی روشنی میں ان کا حکم اور ان سے کفر کا طریقہ بیان کیا گیا ہے تاکہ امت مسلمہ کے سامنے واضح ہو سکے کہ طواغیت کتنا بڑا خطرہ ہیں۔

اس ایڈیشن میں کتاب کے بعض مقامات پر اصلاح، بعض مقامات کی وضاحت اور بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ حاکمیت سے متعلق شبہات کا تفصیلی ازالہ ہم اپنی کتاب ”توحید کا اہم باب..... حاکمیت الہی“ (زیر تالیف) میں کریں گے۔ اہل علم سے گزارش ہے کہ میری تحریر میں کوئی سقم پائیں تو ضرور نشاندہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے، ہم سب کو سیدھے راستے پر گامزن فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ بے شک وہ دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلی اللہ علی محمد النبی الأُمّی وعلی آلہ وصحبہ وسلم
ڈاکٹر سید شفیق الرحمن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ
شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ.
وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ
أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَ
اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا. يُصْلِحْ
لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

جن وائس کی پیدائش کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت
کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)
”میں نے جن وائس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اور فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البينة: ۵)
 ”انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔“

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے علاوہ ہر معبود باطل کا انکار کیا جائے، نماز قائم کی جائے، زکوٰۃ ادا کی جائے، بیت اللہ کا حج کیا جائے اور رمضان کے روزے رکھے جائیں۔“^①

عبادت:

عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جس کا اطلاق ان تمام ظاہری اور باطنی اقوال و اعمال پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہوں جبکہ اس عمل میں اطاعت و فرمانبرداری اور حب الہی درجہ کمال کے ساتھ موجود ہو۔

جب بندہ سے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا مطالبہ کیا جائے تو اس سے عبادت کا یہی عمومی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ یعنی تمام امور مثلاً خشوع و خضوع، خشیت و توکل، دعاء و رجوع، رکوع و سجود، روزہ و حج، نذر و قربانی اسی کے لیے کی جائے اسی طرح محبت اور دشمنی، جہاد اور قتال، امید اور خوف، اطاعت و فرمانبرداری، فیصلہ ماننا اور فیصلہ کروانا، ان کے علاوہ دوسرے تمام امور جو شرعی طور پر واجب یا مستحب ہیں ان میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔

اسلام میں لفظ عبادت صرف مناسک یا اسلامی شعائر کی ادائیگی میں مقید نہیں ہے بلکہ یہ اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کافر طاقتوں اور گمراہ صوفیوں نے اس دین کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے امور کے شرعی مفہوم تبدیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ عبادت کا مفہوم بھی ان امور میں شامل ہے جسے موجودہ

دور کے ان گمراہ فرقوں کی طرف سے دست درازی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ عبادت کو مناسک اور اسلامی شعائر کی ادائیگی کے لیے صرف مسجدوں اور عبادت گاہوں کی حدود میں مقید کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے ہاں عبادت صرف اسلامی شعائر کی ادائیگی کا نام رہ گیا۔ اس بات نے لوگوں کے عقائد و نظریات اور افکار و عادات پر بڑے منفی اثرات ڈالے ہیں۔ اس قسم کے اکثر لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ رکوع و سجود کی حد تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ وہ معاشرت، معیشت، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں غیروں کو اپنا الہ بنائے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو حق پر گامزن سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی ان پر اعتراض کرے تو اس کی طرف اعتراض والی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ دین کو سیاست میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور دین کو ایسے امور میں داخل کرنا چاہتے ہیں جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ان اہم ترین امور کی وضاحت کرے جو عبادت کی اصطلاح میں داخل ہیں۔ اور بتائے کہ کون سے ایسے امور ہیں جو بندگی کہلاتے ہیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کر رہا ہے یا پھر مخلوق کی عبادت و بندگی میں مشغول ہے:

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الأنفال: ۴۲)

”تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کی بنا پر ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل کی بنا پر زندہ رہے۔“

زندگی کے کسی بھی میدان میں مخلوق کی بندگی کرنا کلمہ توحید کے منافی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور طاغوت کا انکار انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ کوئی دوسری جزوی ذمہ داری یا مقصد انہیں ان کے اس بنیادی مقصد سے باز نہ رکھ سکا۔ یہی اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے جسے رسول لے کر آئے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج بیت اللہ اور دوسرے فرائض و نوافل سے بھی پہلے پورا کرنا ضروری ہے۔ جب تک طاغوت کا انکار نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان مکمل ہوتا ہے، نہ

کوئی عمل قبول ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَمَا يَكْفُرُوا فِي
الْأَرْضِ فَأَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝﴾ (النحل: ۳۶)

”ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو انہیں یہی کہتا تھا) کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو پھر کچھ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاغوت سے اجتناب کی دعوت دینا تمام پیغمبروں کی پہلی ذمہ داری تھی اور کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ
لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾ (البقرة: ۲۵۶)

”جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے

کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجی جانے والی ہر چیز کا انکار کیا اس کا مال اور خون (مسلمانوں پر) حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔“^①

لہذا ضروری ہے کہ ایمان کا اظہار کرنے سے پہلے طاغوت کا انکار کیا جائے۔ اگر طاغوت کا انکار کیے بغیر ہی ایمان کا اظہار کر دیا گیا تو ایسا ایمان اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک طاغوت کا انکار اور شرک سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔ ایمان باللہ اور ایمان باطاغوت دونوں کا کسی ایک آدمی کے دل میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں خواہ ایسا ایک لمحے کے لیے

ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک پر ایمان دوسرے کی نفی کو مستلزم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کسی بندہ کے دل میں ایمان اور کفر جمع نہیں ہو سکتے۔“^①

اللہ تعالیٰ پر وہی ایمان قابل قبول ہوگا جس سے پہلے طاغوت کا انکار کیا جائے ورنہ پھر طاغوت پر ہی ایمان ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور طاغوت پر ایمان دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے یہ ایک وقت میں ایک چیز اور اس کی ضد کو اکٹھا کرنے کے مترادف ہے۔

ایک ایسا شخص جو لا الہ الا اللہ کا اقرار تو کرتا ہے لیکن طاغوت کا انکار نہیں کرتا وہ ایک وقت میں دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر رہا ہے جو کہ ایک ناممکن سی بات ہے۔ لا الہ کلمہ توحید کا ایک حصہ ہے گویا طاغوت کا انکار خود اسی کلمہ میں ہی شامل ہے۔ اس لیے جو کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود طاغوت کا انکار نہیں کرتا وہ ایسا ہے جیسے وہ ایک طرف تو یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جبکہ دوسری طرف عملی طور پر وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی معبود ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ کا دین توحید تھا۔ توحید کلمہ لا الہ الا اللہ کی معرفت اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کلمہ کو تو سبھی لوگ پڑھتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ بعض لوگ اسے پڑھنے کے بعد اس کا صرف یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق و رازق نہیں، اس میں اس طرح کے دوسرے بھی کئی معانی شامل کرتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اس کلمہ کے معنی اور مفہوم سے بالکل ہی ناواقف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ قابل تعجب وہ شخص ہے جو ایک

طرف اس کلمہ کو پہچانتا ہے اور دوسری طرف اس سے اور اس کے ماننے والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو اس کلمہ سے محبت کرتا ہے اور اس کے ماننے والوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے لیکن اس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق نہیں کر پاتا۔ سبحان اللہ! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک دین میں دو جماعتیں ہوں اور وہ حق پر ہونے کی دعویٰ دار ہوں۔ اللہ کی قسم!

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔^①
اس شخص کے کافر و مرتد ہونے میں کسی قسم کا کوئی پہلو مخفی نہیں جو اسلام میں داخل ہونے اور کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے۔ کیونکہ شرک تمام اعمال کو ضائع کر دینے کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام: ۸۸)
”اور اگر وہ لوگ (یعنی انبیاء کرام) بھی شرک کرتے تو ان کا سب کیا کرایا ضائع

ہو جاتا۔“

طاغوت کے لغوی معنی:

اس کا مادہ ط غ ی ہے اور طغی کے معنی ہیں حدوں کو توڑنے والا۔ (مفردات القرآن)
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۖ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾

(النازعات ۳۷ تا ۳۹)

”جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔“

طاغوت کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال:

① ((قَالَ عُمَرُ: أَلْجِبْتُ السَّحْرُ، وَالطَّاعُوتُ الشَّيْطَانُ.))^②

① رسائل شخصیه للشیخ محمد بن عبد الوہاب ۱۸۲۔

② بخاری، کتاب التفسیر، النساۃ ۴۳۔

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جب سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔“

❖ ((وَقَالَ جَابِرُ: كَانَتْ الطَّوَاعِثُ الَّتِي يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهَا فِي جُهَنِّهِ وَاحِدٌ، وَفِي أَسْلَمَ وَاحِدٌ، وَفِي كُلِّ حَيٍّ وَاحِدٌ، كَهَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ.))^①

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”طاغوت وہ ہوتے ہیں جن کی طرف لوگ فیصلے لے کر جاتے ہیں۔ جہنہ قبیلے

میں ایک طاغوت تھا، اسلم قبیلے میں ایک طاغوت تھا اور اسی طرح ہر قبیلے میں ایک

طاغوت ہوتا ہے۔ یہ طواغیت کا ہن ہوتے ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں۔“

❖ ((وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الطَّاعُوتُ الشَّيْطَانُ فِي صُورَةِ الْإِنْسَانِ يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهِ، وَهُوَ صَاحِبُ أَمْرِهِمْ.))^②

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طاغوت صاحب اثر انسانوں کی شکل میں شیطان ہوتے ہیں جن کی طرف

لوگ فیصلے لے کر جاتے ہیں۔“

❖ ((وَقَالَ الْإِمَامُ مَالِكٌ: الطَّاعُوتُ هُوَ كُلُّ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.))^③

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طاغوت وہ ہوتا ہے کہ جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔“

❖ ((قَالَ الْإِمَامُ أَبُو جَرِيرٍ الطَّبْرِيُّ:

وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ عِنْدِي فِي ”الطَّاعُوتِ“ أَنَّهُ كُلُّ ذِي طُغْيَانٍ عَلَى

① بخاری، کتاب التفسیر، النساء، ۴۳۔ ② تفسیر ابن کثیر النساء، ابن ابی حاتم ۹۹۴/۳۔

③ تفسیر ابن کثیر النساء، ۵۰۔

اللّٰهُ ، فَعُبِدْ مِنْ دُونِهِ ، اِمَّا يَقْهَرُ مِنْهُ لِمَنْ عَبَدَهُ ، وَاِمَّا بِطَاعَةِ مِمَّنْ عَبَدَهُ لَهُ ، اِنْ سَانًا كَانَ ذَالِكَ الْمَعْبُود ، اَوْ شَيْطَانًا ، اَوْ وَثْنًا ، اَوْ صَنَمًا ، اَوْ كَاثِنًا مَا كَانَ مِنْ شَيْءٍ ۝۱

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طاغوت کے بارے میں میرے نزدیک درست قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جا رہا ہو۔ اس کی پوجا یا تو اس کی زبردستی اور قہر کی وجہ سے کی جاتی ہو جو کہ اسے پوجنے والوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہو یا پوجنے والوں کی طرف سے اطاعت کے جذبہ کے تحت اس کی پوجا کی جا رہی ہو۔ یہ معبود خواہ کوئی انسان، شیطان، بت ہو یا دنیا کی کوئی بھی چیز ہو۔“

﴿ قال شيخ الاسلام أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية: والمطاع في معصية الله ، والمطاع في اتباع غير الهدى ودين الحق سواء كان مقبولا أخبره المخالف لكتاب الله ، او مطاعا لأمره المخالف لأمر الله هو الطاغوت ، ولهذا سمي من تحوكم اليه من حاكم بغير كتاب الله طاغوت ﴾ ۝۲

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی عبادت کی جا رہی ہو اور وہ اس پر راضی ہو وہ طاغوت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں جس کی بات مانی جا رہی ہو، اور دین حق اور ہدایت کے راستے کی اتباع کی بجائے جس کی غیر مشروط اطاعت کی جا رہی ہو ایسا شخص طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لیے اس شخص کو بھی طاغوت کہا جاتا ہے جس کے پاس کوئی فیصلہ کروانے کے لیے آئے اور اس کا معمول یہ

ہو کہ وہ کتاب اللہ کے بغیر ہی فیصلہ کرتا ہو۔“

﴿(قال شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب: الطاغوت عام في كل ما عبد من دون الله ورضي بالعبادة من معبود أو متبوع أو مطاع في غير طاعة الله ورسوله فهو الطاغوت .)﴾^①

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طاغوت ایک عام لفظ ہے، ہر وہ چیز یا ذات جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو اور وہ اس عبادت پر راضی بھی ہو، خواہ وہ معبود (جس کی عبادت کی جاتی ہو) ہو یا متبوع (جس کی اتباع کی جاتی ہو) اور مطاع (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر جس کی اطاعت کی جاتی ہو) ہو وہ طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔“

اللہ کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کو حق مانے مگر اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی بجائے اپنے نفس یا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود کو خدائی منصب پر فائز کرے اور اللہ کے بندوں سے اپنی بندگی اور غیر مشروط اطاعت کروائے۔ جو اس آخری مرتبے پر پہنچ جائے اس کا نام طاغوت ہے۔

جن چیزوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بے جان: جیسے پتھر کے بت، بعض درخت اور قبریں وغیرہ

۲۔ عاقل: جیسے انسان، جنات اور فرشتے وغیرہ

عاقل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔..... وہ عاقل جو اپنی بندگی کروانے پر راضی ہیں۔ جیسے شیطان اور دیگر طواغیت۔ یہ

سب کافر اور جہنم میں جانے والے ہیں:

﴿وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكْ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبياء: ۲۹)

”ان میں سے اگر کوئی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں بھی اللہ ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔“

ب:..... وہ عاقل جو اپنی بندگی پر راضی نہیں، کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو خود کو اللہ بنائے جانے پر راضی نہیں جسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا درجہ دیتے ہیں۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اپنی مشکلات کے حل کے لیے پکارتے ہیں اور کچھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مدد کی فریاد کرتے ہیں۔ کچھ لوگ دوسرے اولیاء اور صالحین کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ لوگ اگرچہ ان کی بندگی کرتے ہیں لیکن انبیاء اور صالحین اللہ کے فرماں بردار، اللہ کی بندگی کرنے والے اور اللہ کے علاوہ ہر کسی کی بندگی سے برأت کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی بجائے اپنی عبادت پر راضی نہیں اس لیے انہیں طاغوت کہنا جائز نہیں۔

جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی بندگی سے برأت کرتے ہوئے فرمائیں گے:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

”اور جب (قیامت کے دن) اللہ فرمائے گا ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو اللہ بنا لینا؟ عیسیٰ جواب دیں گے: ”اے اللہ تو پاک ہے، میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے حق نہ تھا۔“

اسی طرح فرشتے اور نیک بندے بھی کہیں گے:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيقُولُ أَأَنْتُمْ أَضَلَلْتُمْ

عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ
يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَ
هُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿الفرقان ۱۷-۱۸﴾

”اور جس دن اللہ انہیں اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اکٹھا کرے گا تو ان
سے سوال کرے گا کہ ”کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ سے
بہک گئے تھے؟“ وہ کہیں گے: ”تیری ذات پاک ہے ہماری مجال نہ تھی کہ
تیرے سوا کسی کو کارساز بناتے، مگر تو نے انہیں اور ان کے آباء کو خوب دنیا کا
سامان دیا، یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھول گئے، یہ تھے ہی ہلاک ہونے والے“
آئیے ذرا تفصیل کے ساتھ ان طواغیت کا تعارف حاصل کریں جن کی ہمارے زمانے
میں عبادت کی جا رہی ہے۔ تاکہ ہم ان سے کفر کرتے ہوئے ان کے حوالے سے اپنی شرعی
ذمہ داری پورا کر سکیں۔



طاواعت کی اقسام

پہلی قسم:..... جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر مشروط اطاعت کی جائے:

صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مطلق اطاعت کی جاتی ہے، کیونکہ وہ معبود حقیقی اور الہ ہونے کی بنا پر اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے، اور صرف وہ حق اور عدل کا حکم دیتا ہے۔ جبکہ اس کے سوا تمام مخلوقات کی اطاعت ان کی ذات کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ مخلوقات میں سے جس کسی کی غیر مشروط اطاعت کی جائے وہ الہ اور معبود کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (یوسف: ۴۰)

”فرما روائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی

کی عبادت نہ کرو۔“

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۲۶)

”اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔“

جو شخص مخلوق میں سے کسی سے کہے کہ تجھے شریعت وضع کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے، حلال و حرام اور اچھا و برا جاننے کے لیے ہم تیری ہی بات مانیں گے، جسے تو اچھا کہے گا وہی بات اچھی ہوگی اور جسے تو برا کہے گا وہی بات بری ہوگی۔ اول و آخر تیرا ہی اختیار چلے گا۔ ان تمام امور میں تیری اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ان نے اسے الہ بنا لیا۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس ذات کی بھی غیر مشروط اطاعت کی جائے وہ طاغوت ہے۔ اس کی اطاعت ہی اس کی عبادت ہے۔ کیونکہ یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ جن امور میں اس کی اطاعت

کی جارہی ہے وہ حق ہے یا باطل۔ اس کی ہر بات کو بغیر کسی اعتراض اور تردید کے مان لیا جاتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ بات حق کے موافق ہے یا منافی۔ طاغوت کی عبادت کی یہ ایسی قسم ہے جس میں اکثر لوگ دانستہ یا نادانستہ طور پر مبتلا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی غیر مشروط اطاعت کی جارہی ہوتی ہے وہ کوئی حاکم ہو سکتا ہے، کسی قبیلے، گروہ، جماعت یا لشکر کا سردار ہو سکتا ہے یا عیسائیوں کے پوپ کی طرح کا کوئی مذہبی عہدیدار بھی ہو سکتا ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبہ: ۳۱)

”ان لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں، درویشوں اور مسیح ابن مریم کو رب بنایا ہے۔ حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی محبوب نہیں۔ وہ پاک ہے ان چیزوں سے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں“

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

”اے عدی! اس بت کو اپنی گردن سے اتار پھینک۔“

میں نے اسے اتار پھینکا۔ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو اس وقت آپ ﷺ یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے:

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾

جب آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیتے تو تم بھی

اسے حرام سمجھ لیتے تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کر دیتے اور تم بھی انہیں حلال سمجھ لیتے تھے۔ میں نے کہا ایسا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہی تو ان کی عبادت ہے۔“^①

غور کیجئے نبی کریم ﷺ نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے اور حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے کے بارے میں علماء کا اختیار ماننے کو ان کی عبادت قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بات ان کو رب ماننے کے مترادف ہے۔

اگر یہ علماء لوگوں کو اپنے لیے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیتے تو لوگ کبھی ان کی بات نہ مانتے بلکہ شاید انہیں رجم ہی کر دیتے۔ کیونکہ اس قسم کے تمام شعار ظاہری عبادات میں شمار ہوتے ہیں اور عبادت کی یہ قسم عوام الناس کی نگاہ سے بھی نہیں چھپ سکتی۔ لیکن خطرناک پہلو یہ ہے کہ ان علماء نے غیر مشروط اطاعت اور فرماں برداری کا مطالبہ کیا جس کا عبادت ہونا اکثر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر لوگوں نے ان کی بات مان لی اور اس میں کوئی حرج بھی نہ سمجھا۔ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کے عبادت گذار بن گئے۔

ابوالخثریؓ کا قول ہے:

”ان لوگوں نے ان کے لیے نماز نہیں پڑھی، اگر وہ لوگوں کو رکوع اور سجود کی صورت میں اللہ کے علاوہ اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتے تو لوگ کبھی ان کی بات نہ مانتے۔ لیکن انہوں نے اس کے لیے ایک خفیہ راستہ اختیار کیا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال کر دیا تو لوگوں نے ان کے اس اختیار کو تسلیم کر لیا یہ ان کی عبادت کرنے اور انہیں رب تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔“^②

① تفسیر البغوی : ۲۸۵/۳

② فتاویٰ ابن تیمیہ : ۷۶/۷

امام بغوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان لوگوں نے رکوع اور سجود کی صورت میں اپنے علماء اور مشائخ کی عبادت نہیں کی تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی اور ان کی حلال کردہ اشیاء کو حلال سمجھا اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام جانا اس طرح انہوں نے انہیں رب بنالیا۔“

ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۶۴)

”آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم (اللہ کے) فرماں بردار ہیں۔“

اسلام نے اطاعت کا قضیہ اچھی طرح حل کر دیا ہے۔ تاکہ کوئی جانتے بوجھتے یا غلطی سے اس بارے میں غلط راستے پر گامزن نہ ہو سکے۔ اسلام کا قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ البتہ نیکی کے کاموں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مخلوق کی بات مانی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ امیر کی بات سنے اور مانے خواہ وہ اسے پسند کرتا ہو یا ناپسند، جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر اسے اللہ کی

نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس کے لیے امیر کی بات سننا اور ماننا جائز نہیں۔“^①
 آپ ﷺ نے فرمایا:
 ”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اطاعت صرف
 معروف کاموں میں ہے۔“^②

اور فرمایا:

”مسلمان پر مسلم حکمران کی اطاعت لازم ہے جب تک وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم
 نہ دے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر کوئی اطاعت نہیں۔“^③
 عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”میرے بعد ایسے لوگ تمہارے حکمران بنیں گے جو سنت کو ختم کریں گے اور
 بدعت کو رواج دیں گے۔ اور نمازوں کو اس کے مقررہ اوقات سے موخر کریں
 گے۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں ایسے لوگوں کو پالوں تو کیا
 کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ام عبد کے بیٹے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
 کرے اس کی اطاعت نہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔“^④

اور فرمایا:

”تمہارے حکمرانوں میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے اس کی
 بات ہرگز نہ مانو۔“^⑤

مذکورہ احادیث میں امیر کی بات نہ ماننے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام کے خلاف خروج
 کیا جائے اور اس کی مطلقاً اطاعت نہ کی جائے۔ بلکہ یہاں صرف ان امور کو ماننے سے روکا
 گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام ہوں۔ البتہ نافرمانی کے جن کاموں کا امیر حکم دے رہا

② بخاری: ۷۲۵۷، مسلم: ۱۸۴۰.

④ السلسلة الصحيحة: ۲۸۶۴.

① بخاری: ۷۱۴۴، مسلم: ۱۸۳۹.

③ السلسلة الصحيحة: ۷۵۲.

⑤ السلسلة الصحيحة: ۲۳۲۴.

ہو اگر ان کا تعلق ان امور سے ہو جو بندے کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں اور دین سے خارج کر دینے کا باعث ہیں تو اس صورت میں مطلق طور پر امیر کی اطاعت نہیں کی جائے بلکہ اس کے خلاف حسب استطاعت خروج بھی کیا جائے گا۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾

”اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔“

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگی، آسانی، پسند اور ناپسند پر اطاعت کی بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم اقتدار کو حکمرانوں سے نہیں چھینیں گے۔ (ہماری یہ بات سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس صورت کے کہ تم ان (اہل اقتدار) میں کفر بواح دیکھو جس کی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔^①

اسی طرح والدین کی فضیلت اور اولاد پر ان کے احسانات کی وجہ سے شریعت نے والدین کا بہت بڑا حق رکھا ہے۔ لیکن ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیا کہ اگر وہ اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ (لقمان: ۱۵)

”اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہانہ مان۔“

آئیے ان چند چیزوں کے بارے میں علم حاصل کریں جن کی آج کے معاشرے میں غیر مشروط اطاعت کی جارہی ہے:

۱: ابلیس (شیطان):

یہ وہ ابلیس لعین ہے جس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے موڑ

کر غیر اللہ کی عبادت کی طرف راغب کرے گا۔

﴿قَالَ رَبِّ بَسًا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أَغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِينَ﴾ (الحجر: ۳۹-۴۰)

”(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو اب میں بھی دنیا میں لوگوں کو (ان کے گناہ) خوشنما کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو بہکا کے چھوڑوں گا۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے (جو بچ جائیں گے)۔“

اسی لیے انسانوں اور جنوں کے شیاطین نے شرک، کفر اور گمراہی پھیلانے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ جبکہ مخلص لوگوں پر شیطان کی کوئی چال کار گر ثابت نہیں ہو سکتی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ طاغوت وہ ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو، تو پھر لوگ کس عمل میں شیطان کی عبادت کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: اس کی عبادت رکوع و سجود کے معانی میں نہیں ہے بلکہ اس کی

عبادت کفر و شرک میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے میں ہے۔

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مشرکین سے پوچھے گا کہ تم نے شیطان کی عبادت کیوں کی تو شیطان کو رکوع و سجود نہ کرنے کے باوجود کوئی بھی یہ نہ کہہ سکے گا کہ ہم شیطان کی عبادت نہیں کرتے ہیں:

﴿الْمَ أَعْهَدَ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (یس: ۶۰)

”اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول و قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ان کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ شیطان نے انہیں بت پرستی کا حکم دیا اور شیطان ہی نے انہیں یہ کام خوبصورت کر کے دکھلایا

اس لیے یہی حقیقت میں شیطان کے پجاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا﴾

(النساء: ۱۱۷)

”یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش

شیطان کو پکارتے ہیں۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد بتوں کا پجاری، بت فروش اور بت تراش تھا۔ شیطان کے بہکاوے میں آکر بتوں کی پوجا کرتا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے بتلایا کہ وہ دراصل شیطان ہی کی پوجا کرتا ہے:

﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا﴾

(مریم: ۴۴)

”اے ابا جان! آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں بے شک شیطان تو اللہ

تعالیٰ کا بڑا ہی نافرمان ہے۔“

امام ابن کثیر سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”سیرت ابن اسحاق میں ہے:

حضور ﷺ ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نضر بن حارث آیا۔ اس وقت مسجد میں اور قریشی بھی بہت سارے تھے۔ نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا جب وہ لاجواب ہو گیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْبَحُونَ ۝﴾ (الانبیاء ۹۸ تا ۱۰۰)

”تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔“

جب آپ اس مجلس سے چلے گئے تو عبداللہ بن زبیری آیا لوگوں نے اس سے کہا: ”آج نصر بن حارث نے باتیں کیں لیکن بری طرح چیت ہوا اور محمد یہ فرماتے ہوئے چلے گئے۔“ اس نے کہا ”اگر میں ہوتا تو انہیں جواب دیتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں، یہود عزیر کو، نصرانی مسیح کو تو کیا یہ سب جہنم میں جلیں گے؟ سب لوگوں کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنی عبادت کرائی وہ عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہے۔ یہ بزرگ اپنی عبادتیں نہیں کراتے تھے یہ لوگ تو انہیں نہیں بلکہ شیطان کو پوج رہے ہیں، اسی نے انہیں ان کی عبادت کی راہ بتلائی ہے۔“ (ابن کثیر)

آج بھی شیطان مختلف صورتوں میں اپنی عبادت کرواتا ہے۔ جن کے چند مظاہر درج ذیل ہیں:

قبر، مزار، دربار اور بہشتی دروازہ

پاک و ہند کے تقریباً ہر شہر میں مزار اور دربار موجود ہیں۔ جب کوئی بزرگ فوت ہو جاتا ہے اس کی قبر کو پختہ کر کے اس پر مقبرہ بنایا جاتا ہے۔ قبر پر ریشمی چادر چڑھائی جاتی ہیں۔ اسے دربار عالیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی کرامتوں کی تشہیر کی جاتی ہے۔ پھر لوگ اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر نذرانوں کے ساتھ حاضری دیتے ہیں ان درباروں پر میلے لگتے ہیں۔ سالانہ عرس ہوتے ہیں۔ لوگ اپنی مشکلات کے حل کے لیے سفر کرتے ہیں۔ یا پیران پیر، یاد سنگیر، یا غوث اعظم، یا داتا گنج بخش یا اجمیر والی سرکار کے نعرے لگاتے ہوئے، نیچے پیر، پیروں فقیروں کے نام کے رنگ برنگ جھنڈے ہاتھوں میں تھامے دربار پر حاضر

ہوتے ہیں۔ وہاں مزار پر کوئی کھڑے ہو کر، کوئی جھک کر، کوئی بوسہ دیتے ہوئے آہ وزاری کے ساتھ اپنی تکالیف بیان کرتے ہیں، خصوصاً عرس کے موقع پر سجادہ نشین پیر کی صورت میں خوبصورت لباس میں گدی پر متمکن ہوتا ہے، محفل سماع منعقد کی جاتی ہے، قبر پر چراغاں کیا جاتا ہے، رقص اور موسیقی کے خصوصی پروگرام ہوتے ہیں، پیروں کے نام پر جانور قربان کیے جاتے ہیں۔ دیگوں کے نذرانوں کے ساتھ لنگر چلائے جاتے ہیں۔ حکومت اسلحہ کے زور پر ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ان کے انتظام اور دیکھ بھال کے لیے محکمہ اوقاف قائم ہے، جس کا وزیر خاص طور پر عرس کے موقع پر دربار پر حاضری دے کر اور قبر پر چادر چڑھا کر عرس میں شمولیت کرتا ہے۔

پاکپتن کے شہر میں بابا فرید کے نام پر بہشتی دروازہ ہے، جسے سال میں ایک دفعہ حکومتی سرپرستی میں کھولا جاتا ہے، لوگ اس میں سے گزرنے کے لیے پولیس کے ڈنڈے بھی کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو ایک بار اس میں سے گزر گیا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس طرح شیطان ان درباروں، مزاروں اور قبروں کی عبادت کرواتا ہے جو کہ اصل میں شیطان کی عبادت ہے۔ ان درگاہوں کی عبادت کی صورت میں طاغوت دراصل شیطان ہوتا ہے۔ جس نے ان کے لیے اس شرک کو مزین کیا ہے حالانکہ یہ قبر والے کسی کو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعِيرٍ ۝ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَا يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْ كُمْ﴾ (الفاطر: ۱۳، ۱۴)

”اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کچھور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں، اگر تم ان کو پکارو، تمہاری پکار نہ سنیں گے اور اگر سن لیں تو تمہاری درخواست قبول نہیں کر سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے“

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُ عَنْكُمْ وَتَأْتِي الْيَقِظَةُ لَكُمْ﴾

يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ (الاعراف: ۱۹۷)

”اور جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔“

بت، پتھر، گائے، تصویر یا صلیب (جن کی عبادت کی جا رہی ہو):

شیطان ان چیزوں کی بندگی کے ذریعے بھی اپنے اطاعت کروا رہا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان اشیاء کو موضوع بحث بنانا ایک فضول سی بات ہے کیونکہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے جو ان چیزوں کی عبادت کرنے والا ہو یا انہیں عبادت کے کسی بھی مفہوم میں داخل کرنے والا ہو۔ خاص طور پر تو موجودہ دور میں ان اشیاء کی طرف لوگوں کا متوجہ ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ علوم و فنون اور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔

اس قسم کے کم عقل لوگوں سے ہم گزارش کرتے ہیں کہ اگر تم اقوام عالم کے حالات و واقعات کا گہرائی سے مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کرہ ارض کے بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس قسم کی فضول چیزوں کی پوجا کر رہے ہیں۔

چین کو دیکھئے! جس کی آبادی ایک ارب نفوس سے بھی زیادہ ہے۔ جاپان اور براعظم ایشیا کے اکثر ملکوں کو دیکھئے! ان ممالک میں آپ کو اکثر لوگ بت پرست ہی ملیں گے جو کہ مختلف قسم کے بتوں، پتھروں اور تصویروں کے پجاری ہیں۔ ہندوستان میں اکثر لوگ گائے، بتوں اور مظاہر قدرت کے پجاری ہیں۔ یورپ میں عیسائیوں کے گرجے اور معبد خانے تصویروں، بتوں، مجسموں اور صلیبوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جا رہی ہے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور اپنے بڑوں اور راہبوں کے بت اور تصویریں بنا رکھی ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں۔

اسی طرح موجودہ دور میں انہوں نے ایک جدید قسم کا بت ایجاد کر رکھا ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں وہ یہ ہے ہر سال کے اختتام پر وہ کرمس ڈے کے نام پر مختلف قسم کی محفلیں منعقد کرتے ہیں جس میں کرمس کا درخت اور بابا کا ظہور ہوتا ہے جس کے بارے

میں مشہور ہے وہ ہر قسم کی خیر و برکات کے نزول کا باعث ہے۔ عیسائیوں میں یہ بات عام ہو چکی ہے اس طرح وہ ہر سال اپنے علماء اور راہبوں کی مرضی سے ایک نیا معبود اور اللہ بنا لیتے ہیں جسے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں۔ عیسائیوں کے مختلف مذاہب اور فرقوں کی عبادت کے طریقہ کار پر اگر کوئی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود عیسائی بت پرستی کے بہت قریب ہیں۔

اس طرح ان بتوں اور صورتوں کے حکم میں حکمرانوں کے وہ ضخیم اور مختلف نوعیت کے مجسمے بھی شامل ہیں جو یادگار کے طور پر مختلف چوراہوں اور شہر کے داخلی راستوں میں نصب ہوتے ہیں۔

۲: نفسانی خواہشات (الہوی):

خواہش نفسانی اس وقت طاغوت بن جاتی ہے جب حق اور باطل کے تعین میں خواہش نفسانی کو ہی مصدر مانا جا رہا ہو۔ یعنی جس چیز کو نفس حق کہے اسی کو حق مانا جائے اور جسے نفس باطل کہہ دے اسے باطل کہا جائے اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح دوستی اور دشمنی میں نفسانی خواہشات کی پیروی کو حق سمجھے۔ یعنی انسان اس سے دوستی رکھے جس کے بارے میں اس کا نفس خواہش کرتا ہو اور اس میں شرعی تقاضے کا خیال نہ رکھے، اسی طرح اس سے دشمنی رکھے جس کے بارے میں اس کا نفس دشمنی رکھنے کا متقاضی ہو اگرچہ شریعت اس سے دوستی رکھنے کی متقاضی ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں نفسانی خواہشات طاغوت کہلاتی ہیں کیونکہ خواہشات کی پیروی کے اندر اپنے لیے خیر اور مصلحت سمجھنے والا خود کو کسی ضابطہ کا پابند نہیں سمجھتا وہ درحقیقت اپنی خواہشات کو خیر و شر کے تعین میں مصدر مان کر اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾

”کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے۔

کیا آپ اس کے ذمہ دار بن سکتے ہیں؟“

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ (الحجاثیہ: ۲۳)

”کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

اور اللہ تعالیٰ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔“

نفسانی خواہشات کی پیروی میں گناہ کرنے والا گناہ گار مسلمان ہے لیکن جو خواہش نفس

کو حق اور باطل کے تعین میں مصدر مانے اور اسی بنیاد پر ولاء والبراء کرنے کو حق سمجھے

تو یہ کبیرہ گناہ نہیں بلکہ کفر ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو مرجع بنائے بغیر فیصلہ کرنے والا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَهًا ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾

(یوسف: ۴۰)

” (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس

کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی دین حق ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو نبی ﷺ کو اپنے ہر معاملے

میں حاکم اور فیصلہ نہیں مانتا۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِی بَیِّنَاتٍ بَیْنَهُمْ ثُمَّ

لَا یَجِدُوا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ۶۵)

”تمہارے پروردگار کی قسم: یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف

نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسے خوشی

سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔“

تحاکم ایک قسم کی عبادت ہے جس میں فیصلے کرنے والا عبادت کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص اپنی زندگی کے تمام عام و خاص معاملات میں اللہ وحدہ لا شریک کی شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہے۔ جو کسی غیر کے قانون کو مرجع بناتے ہوئے شریعت اسلام کے خلاف فیصلے کرتا ہے، یہ غیر خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو اور یہ فیصلہ خواہ زندگی کے کسی کمترین معاملے کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو ایسا کرنے والا اس غیر کا عبادت گزار ہوتا ہے کیونکہ شریعت سازی، قانون اور دستور وضع کرنا الوہیت کی خصوصیات ہیں۔ جس نے ان خصوصیات میں سے کسی ایک کو بھی اپنی طرف منسوب کیا تو اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا۔ اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کے بارے میں قانون سازی کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلے کروانے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرنے والا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو مرجع بنائے بغیر فیصلہ کرنے والا سرکشی اور ظلم میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز اور اعراض کر کے اسے جاہلیت کے رسم و رواج اور طور طریقوں سے بدلنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

(المائدہ: ۴۴)

”جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾

”اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔“

(المائدہ: ۴۵)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾
 ”اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے ہی لوگ

فاسق ہیں۔“ (المائدہ: ۴۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المائدہ: ۵۰)

”کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“

اللہ تعالیٰ کے حکم کے علاوہ ہر حکم جاہلیت کا حکم تصور ہوگا آیت کریمہ اسی بات کی وضاحت کر رہی ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے اعراض کرتے ہوئے کسی دوسرے کے قانون کو مرجع بناتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا طلبگار ہے وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو جاہلیت کے احکام کا نفاذ چاہتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ طاغوت کی تعریف میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز یا شخص ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے اعراض کرتے ہوئے غیر اللہ کے قانون کو مرجع بناتے ہوئے لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے والے کی کس طرح عبادت ہوتی ہے جس بنا پر آپ اسے طاغوت کہہ رہے ہیں۔

اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مرجع مانے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کو خود اللہ تعالیٰ نے طاغوت

کہا ہے:

﴿الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يَرِيدُونَ أَن يَتَخَفَتُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ۶۰)

”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ طاغوت کے پاس فیصلہ کروانے جائیں حالانکہ یقیناً انہیں اس کا کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان (تویہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور کی گمراہی میں ڈال دے۔“

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کے طریقے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب یعنی قرآن پر بھی ایمان لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں۔ لیکن عملی طور پر وہ ایسی بات کے مرتکب ہوتے ہیں جو ان کے اس دعویٰ کے بطلان کا باعث ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا مذکورہ دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔ عملی طور پر وہ ہر فیصلہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سے کروانے کی بجائے طاغوت سے کرواتے ہیں یہ ان کے دعویٰ کے بطلان کا باعث ہے حالانکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل شدہ کتابوں میں طاغوت کے انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔“^①

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿يَزِغُ سَوَاءً﴾ ان کے دعویٰ ایمان کی تکذیب کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر ایمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے اعراض کرتے ہوئے کسی دوسرے سے فیصلہ کروانا یہ دونوں باتیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔“^②

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

② رسالۃ تحکیم القوانين.

① فتح القدیر: ۱/ ۴۸۲.

”یہاں طاغوت سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہوئے باطل کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور لوگ فیصلے کروانے کے لیے اس کے پاس جاتے ہیں۔“

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مرجع بنائے بغیر فیصلہ کرنے والا حاکم جو بھی فیصلہ کرتا ہے لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف اس کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں تو اس طرح وہ ان کا معبود بن جاتا ہے کیونکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر اس کی بات تسلیم کر کے اس کی غیر مشروط اطاعت کرتے ہیں۔

یاد رکھئے کہ غیر مشروط اطاعت کرنا عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ اُس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَا يُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ (سورۃ الکہف: ۲۶)

”اور وہ اپنے حکم میں سے کسی کو شریک نہیں کرتا“

مفسر قرآن علامہ محمد امین شفقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائے۔ حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے کسی بھی صورت میں غیر اللہ کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جاسکتا۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ دین وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا ہے اور فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے صادر فرمایا ہے۔ مذکورہ ارشادِ باری

﴿وَلَا يُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ میں حکم اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلوں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں شریعت سب سے پہلے داخل ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ نے جس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ حکم کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کوئی دوسرا اس میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا اس مفہوم کی وضاحت قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات سے بھی ملتی ہے۔

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ (یوسف: ۶۷)

فرماںِ ربانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اسی پر میں نے توکل کیا۔

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوری: ۱۰)

”اور جس جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ ہی کی طرف ہے۔“

﴿كُلُّ شَيْءٍ عِندَ هَٰذَاكَ إِلَّا وَجْهَهُ لَهٗ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

”اس کی ذات (پاک) کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ حکم اسی کا ہے اور اسی

کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔“ (القصص: ۸۸)

﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتَغَىٰ حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾

(الأنعام: ۱۱۴)

”(کہو) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور منصف تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری

طرف کتاب بھیجی ہے جس میں ہر بات تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔“

ان آسمانی نصوص سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ وضعی (انسان ساختہ) قوانین

کے پیچھے چلتے ہیں جو کہ درحقیقت شیطان کی شریعت ہے جسے شیطان نے اپنے چیلوں کے

ذریعے مقرر کی، یہ اُس شریعت سے متصادم ہے جسے اللہ جلال اور بلندی کے مالک نے اپنے

رسولوں کے ذریعے مقرر فرمائی۔ ان لوگوں کے کفر و شرک میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا سوائے

اُس شخص کے جس کی بصیرت کو اللہ نے مسخ کر دیا ہو اور جس کو وحی کی روشنی سے اندھا

کر دیا ہو..... پس معاشرے کے اموال اور جائیدادوں کے معاملہ میں، ان کی عزتوں

آبروؤں کے مسائل میں، ان کے انساب، ان کی عقول اور ان کے دین کے معاملہ میں.....

ان سب معاملات میں طاغوتی نفسانی خواہشات کی پیروی میں گناہ کرنے والا گناہ گار مسلمان

ہے لیکن جو خواہش نفس کو حق اور باطل کے تعین میں مصدر مانے اور اسی بنیاد پر ولاء

والبراء کرنے کو حق سمجھے تو یہ کبیرہ گناہ نہیں بلکہ کفر ہے۔ نظام کو فیصل ٹھہرانا کفر ہے اُس

ذات کے ساتھ جو زمین اور آسمانوں کی خالق ہے، اور یہ بغاوت ہے اُس آسمانی نظام کے

خلاف جس کو وضع کرنے والی وہ ذات ہے جو ساری مخلوقات کی خالق ہے اور جو اپنی مخلوقات

کی مصلحت سے خود ہی سب سے بڑھ کر واقف ہے۔

﴿ جو حاکم اللہ تعالیٰ کی شریعت سے اعراض کرتے ہوئے دوسرے قوانین کو مرجع اور قانون عام بناتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندوں کو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے نکال کر شرک، کفر اور جاہلیت کے اندھیروں میں ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ایسے ہی حاکم مراد ہیں:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرة: ۲۵۷)

”اور کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں۔ جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ اہل دوزخ ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔“

ایسے حکمران جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے اعراض کرتے ہوئے دوسرے قوانین کو مرجع اور قانون عام بناتے ہوئے فیصلے کرتے ہیں آج کل مسلمانوں کے ملکوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس بارے میں بعض اہل علم کے اقوال آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں: امام اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ ﴿أَفْحَكَمَ الْجَاهِلِيَّةُ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المائدہ: ۵۰) کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ اس انسان کی مذمت بیان کر رہا ہے جو اس کے محکم اور مضبوط قانون سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو چھوڑ کر دوسری آراء، نظریات اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بھلائی کے کام پر مشتمل ہے اور ہر برائی سے روکنے والا ہے، اور دوسری آراء و نظریات خالصتاً انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور انہیں وضع کرنے کے لیے شریعت سے راہنمائی نہیں لی گئی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ نفسانی خواہشات اور ذاتی نظریات کے ذریعے وضع کردہ اصول و قواعد کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بتاتاری اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ قانون کی کتاب کے ذریعے اپنے ملکی معاملات میں فیصلے کرتے ہیں۔ چنگیز خان کی وضع کردہ یہ قانون کی کتاب ایسے

احکام وضو اباط کا مجموعہ ہے جو اس نے مختلف شریعتوں مثلاً یہودیت، عیسائیت اور اسلام سے اخذ کیے ہیں۔ اور اس میں بہت سے ایسے احکام بھی ہیں جو خالصتاً اس کے اپنے نقطہ نظر اور سوچ پر مبنی ہیں۔ تاتاریوں کے نزدیک یہ مجموعہ ایک ایسی شریعت کا روپ دھار چکا ہے جسے وہ فیصلہ کرنے کے لحاظ سے کتاب و سنت سے زیادہ فوقیت دیتے ہیں۔ جو کوئی ایسا کرے گا وہ کافر ہے اور اس سے جہاد کرنا واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اکیلا مآخذ مان کر اس کی طرف رجوع نہ کرے۔ خواہ کوئی چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر کسی سے فیصلہ نہ کروائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ یعنی وہ جاہلیت کے قوانین کے مطابق فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ حالانکہ یقین کرنے والوں کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔^①

شیخ محمد حامد القفی رحمہ اللہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس کلام پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو شخص قتل، زنا کاری یا چوری وغیرہ کے مقدمات میں فرنگیوں کے قوانین کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور ان قوانین کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر مقدم کرتا ہے وہ بھی تاتاریوں جیسا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ ایسا شخص اگر اسی طریقے پر ڈٹا رہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا راستہ اختیار نہ کرے تو وہ بلا شک و شبہ کافر اور مرتد ہے۔ اسے نہ تو مسلمانوں کا کوئی نام فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا اسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“^②

علامہ احمد شاہ کر، ابن کثیر رحمہ اللہ کے گذشتہ اقوال پر اضافہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

① تفسیر ابن کثیر ۲/۷۰۔

② حاشیہ فتح المجید، صفحہ: ۳۹۶۔

”کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں میں ایسے قوانین کے ذریعے فیصلے کریں جو کہ بت پرست اور ملحد یورپ کے قوانین سے اخذ کیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ قوانین ان کی اپنی ذاتی خواہشات اور آراء پر مبنی ہوتے ہیں جن میں یہ اپنی مرضی سے تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ آیا یہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا اس کے مخالف؟ ان قوانین کے بارے میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ ایسا کھلا کفر ہے جس میں کسی قسم کا کوئی اخفاء نہیں ہے، اور مسلمانوں کے لیے یہ کسی صورت جائز نہیں کہ وہ ان قوانین کو تسلیم کریں، ان کے سامنے اپنا سر جھکائیں اور ان کے مطابق عمل کریں۔“^①

شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”دنیا کی ہر قوم کے نزدیک ان کے اندر ہونے والے فیصلوں کی بنیاد عدل پر ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاں عدل ان کے آباء و اجداد کے نظریات کا نام ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر ایسے لوگ بھی جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اپنے قبائلی رسوم و رواج کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیے ہوتے۔ پھر یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن و سنت کی بجائے انہیں کے ساتھ فیصلے کرنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ بات کفر ہے۔ ان لوگوں کو جب یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا درست نہیں تو وہ پھر بھی اس کا التزام (اختیار) نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے کو (عملاً) حلال کر لیں، یہ لوگ کافر ہیں۔ ورنہ پھر وہ جاہل گمراہ اور حقیقت سے ناواقف ہیں۔“^②

علامہ مفتی الدیار السعدیہ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اپنے نازل کردہ حکم کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ فیصلہ کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق کہہ رہا ہے۔ یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے

لوگوں کو کافر کہے اور وہ کافر نہ ہوں، ہرگز نہیں یہ لوگ بچے کافر ہیں۔ ہاں کفر اعتقادی یا عملی ہو سکتا ہے۔“

پھر مفتی صاحب اعتقادی کفر کی چھ صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اولاً.....: جو شخص بھی دین کے اصولوں میں سے کسی ایک اصول یا کسی متفق علیہ شرعی مسئلہ یا نبی علیہ السلام کی لائی ہوئی کسی بھی قطعی بات سے ایک حرف کا بھی انکار کرے تو وہ کافر ہوگا اور اس کا کفر اسے ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا ہوگا۔

ثانیاً.....: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم اور فیصلہ کے حق ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن یہ اعتقاد رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کا حکم آپ کے حکم سے زیادہ اچھا اور زیادہ مکمل ہے اور یہ انسانی قانون لوگوں کی آج ضرورت ہے۔ تو ایسا شخص کافر ہوگا

ثالثاً.....: جو شخص وضعی قانون کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے اچھا تو نہیں مگر اس جیسا ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو یہ بھی کافر ہونے میں پہلی دو قسموں کی مانند ہے یعنی یہ ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کرتا ہے کیونکہ اس بات سے خالق اور مخلوق میں برابری ہوتی ہے۔

رابعاً.....: جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ دوسری کسی چیز سے فیصلہ کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے مشابہ اور بہتر ہونے کا اعتقاد تو نہیں رکھتا لیکن اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے علاوہ دوسری کسی چیز سے فیصلہ کرنا جائز سمجھتا ہے۔

خامساً.....: اللہ تعالیٰ کی مخالفت کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی صورت ہے یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے تکبر، مخالفت اور شرعی عدالتوں کی ریس ہے۔ جہاں یہ غیر اللہ کا حکم نافذ کرنے والے ادارے شرعی عدالتوں کی طرح ہی قائم کیے جاتے ہیں، ان کی باقاعدہ امداد اور سپورٹ کی جاتی ہے، ان

کو اصول و فروع اور اشکال و انواع کے اعتبار سے شرعی عدالتوں کا ہی مقام دیا جاتا ہے، ان کے فیصلوں کو ویسا ہی مانا اور بزور منوایا جاتا ہے، ان کو ویسے ہی مستند اور مرجع قرار دیا جاتا ہے جس طرح شرعی عدالتوں کا مرجع و ماخذ کتاب و سنت ہے اسی طرح ان خود ساختہ عدالتوں کا مرجع و ماخذ بہت سی شریعتوں اور قوانین سے لیا ہوا قانون کا پلندا ہوتا ہے جس کو فرانسیسی، امریکی، برطانوی اور دیگر قوانین سے اخذ کیا گیا ہوتا ہے۔ بعض بدعت پر مبنی مذاہب اور اس جیسی دوسری چیزیں بھی اس کی بنیاد میں شامل کی جاتی ہیں اس مذکورہ منہج پر تیار شدہ عدالتوں کے دروازے اسلامی ممالک میں آپ کو جا بجا کھلے ملیں گے، لوگ گروہ درگروہ ان میں جا رہے ہیں، ان ملکوں کے حکام اپنے عوام کے درمیان کتاب و سنت کے مخالف و ضعی قانون کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور ان پر ان عدالتوں کے فیصلے لاگو کیے جاتے ہیں، ان فیصلوں کا ان سے اقرار کروایا جاتا ہے تو پھر اس کفر سے بڑھ کر اور کفر کیا ہو سکتا ہے؟ محمد ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی کی مخالفت اور اس سے انحراف اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟

سادساً.....: اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے علاوہ کسی دوسری چیز کے ساتھ فیصلہ کرنے کی وہ ہے جس کے ساتھ دیہاتوں میں قبیلوں کے سردار فیصلے کرتے ہیں یہ فیصلے ان کے باپ دادا کے قصے، کہانیوں اور رسم و رواج سے اخذ کیے گئے ہوتے ہیں اور ان کو ورثہ میں ملے ہوتے ہیں (اور ہمارے ہاں اسے پنچائت، ثالثی کمیٹی اور جرگہ کا نام دیا جاتا ہے) یہ باپ دادا کے انہیں جاہلانہ احکام کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں اور رسول کریم کے حکم سے منہ پھرتے اور بے رغبتی کرتے ہوئے اپنی اور باپ دادا کی جاہلیت پر اڑے رہتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔“^①

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ لوگوں کے احکام و آراء اللہ تعالیٰ کے احکام سے بہتر ہیں یا ان کے ہم مثل یا مشابہ ہیں، یا وہ شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو ان کا قائم مقام قرار دیتا ہے اس کا کوئی ایمان نہیں۔ اگرچہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بہترین، زیادہ مکمل اور درست ہیں..... جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو اور اس کی وحی کے مطابق فیصلہ کروائے وہی اس کا عبادت گزار ہے۔ اور جو کسی غیر کا مطیع ہو جائے اور اس کی شریعت کے مطابق فیصلے کروائے وہ طاغوت کا عبادت گزار اور اس کا مطیع بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾
 ”وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا کفر کریں۔“ (النساء: ۶۰)

کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس کا ہم اقرار کرتے ہیں اس کے تقاضوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ طاغوت کی بندگی اور اس سے فیصلہ کروانے کا انکار بھی کیا جائے۔^①

دیکھئے! شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کس خوبی کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو ان کا قائم مقام قرار دینے سے ہی انسان کے ایمان کی مطلقاً نفی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے حکم کے بارے میں درست عقیدے کا دعوے دار ہو جیسا کہ موجودہ دور میں ہمارے اکثر قانونی اداروں کی حالت زار ہے۔

① رسالۃ وجوب تحکیم شرع اللہ.

طاغوتی عدالتوں سے فیصلے کروانا اُس صورت میں کفر اور حرام ہے کہ جب شریعت اسلام سے فیصلہ کروانا ممکن ہو اور اس سے اعراض کرتے ہوئے غیر اللہ کی قانون سے فیصلہ کر دیا جائے۔ رہا موجودہ دور میں اپنے حقوق حاصل کرنے کی خاطر طاغوتی عدالتوں کی طرف رجوع کرنا تو اسلامی عدالتی نظام کے نہ پائے جانے کے سبب اہل علم نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ دل میں ان سے بغض و عداوت رکھا جائے۔

۴: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شریعت ساز:

شریعت ساز (فرد واحد، نظام یا پارلیمنٹ) قانون نافذ کرنے والے حاکم سے مختلف ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں انہیں قانون ساز اداروں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا قانون نافذ کرنے والی انتظامیہ سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ جو قوانین اور دستور یہ ادارہ وضع کرتا ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے ان قوانین کو لاگو کرنے اور منوانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ قانون ساز ایک شخص بھی ہو سکتا ہے، ایک ادارہ، جماعت یا اسمبلی بھی ہو سکتی ہے جو کہ بہت سے قانون سازوں سے ملکر بنتی ہے۔ یا اس سے مراد وہ صوفی اور مشائخ وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے اوپر دین کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کے لیے قرآن و سنت سے آزاد شریعت بناتے ہیں۔ اس بارے میں عمومی طور پر یہ بات کہی جائے گی کہ: جو شخص شریعت سازی یعنی کسی چیز کو حلال و حرام یا اچھا و برا قرار دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے لیے خاص کر لیتا ہے، اور وہ اپنے نظریے اور خواہش کے مطابق لوگوں کے لیے شریعت بنانا شروع کر دیتا ہے ایسا شخص طاغوت ہے۔ اسے کافر قرار دینا اور اس کا کفر کرنا واجب ہے۔

یہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے خلاف بہت بڑی جرات کا اظہار ہے کہ انہوں نے اپنے اور اپنی قوموں کے لیے ایسی قانون ساز اسمبلیاں وضع کر لی ہیں جنہیں قومی اسمبلیوں کا نام دے رکھا ہے۔ ان اسمبلیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ کی شریعت سے آزاد قانون سازی کر سکتی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر لوگوں کے لیے قوانین وضع کرتی ہیں۔ وہ اسمبلی جسے قرآن و سنت سے آزاد قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہو وہ یقیناً طاغوت ہے۔ اور اسلامی ملکوں

میں موجود اسمبلی کے ایسے ارکان جو یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ پارلیمنٹ کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین سے آزاد ہو کر اپنی مرضی سے قانون وضع کرنے کا مطلق حق حاصل ہے وہ طاغوت کے اولیاء ہیں۔

۵: انسانوں کے وضع کردہ قوانین:

اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت میں وضع کردہ قوانین بذات خود طاغوت ہیں۔ ارشاد باری ﴿يُزَيِّدُونَ أَنْ يَتَحَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ سے یہی مفہوم مراد ہے۔ طاغوت کی اس قسم میں انسانوں کے بنائے ہوئے وہ قوانین اور دستور بھی شامل ہیں جنہیں ملکوں اور معاشروں پر نافذ کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ملکی انتظامیہ کے ہاں یہ قوانین ایک مقدس دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ان کی ہر شق کو نافذ کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں دستور اور قانون ہر چیز سے بالاتر ہے اور کوئی چیز بھی قانون اور دستور سے بالاتر نہیں ہو سکتی۔

قانون اور دستور کا لوگوں کے دلوں پر ایک خاص رعب ہوتا ہے اس لیے وہ ہر چیز سے خروج برداشت کر سکتے ہیں اور ہر چیز پر تنقید کر سکتے ہیں لیکن قانون اور دستور کے دائرے سے نکلنا ان کے لیے محال ہوتا ہے اور وہ اسے تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دستور بھی طاغوت ہے اور اسے بنانے والے بھی طاغوت ہیں۔ تباہی و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو دستور کو اس قدر تقدس اور احترام کا درجہ دیتے ہیں۔

ایسی کتابیں جو کفر کی ترویج اور اس کی طرف دعوت دینے کا سبب ہیں وہ بھی طاغوت کی اس قسم میں شامل ہیں۔ خاص طور پر وہ کتابیں جو لادین اور کافر گروہوں کے عقیدہ و منہج کی مبادیات پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان جماعتوں کے لیے اہم مراجع و مصادر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو کتاب کفر و شرک کی دعوت پر مبنی ہو وہ ایک دستاویز ہے جو ہمیشہ اپنا جال پھیلائے رکھتا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی اس کے پھندے میں پھنسے اور اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: طاغوت تو وہ ہوتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جائے تو قوانین کی عبادت کس بات میں پوشیدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: قانون کی عبادت اس کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس کی بات ماننے میں پوشیدہ ہے، کیونکہ قانون کی بات بغیر کسی رد و بدل اور اعتراض کے مانی جاتی ہے۔ یہ تمام باتیں لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے عبادت کے مفہوم میں داخل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں پھیرا جاسکتا۔

۶: اقوام متحدہ:

یہ بھی طاغوتی ادارہ ہے کیونکہ.....

۱۔ رکن ممالک اقوام متحدہ کے چارٹر کی پابندی کا عہد کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی اسمبلی ہے جو اپنے قوانین وضع کرنے کے لیے کتاب و سنت کے تابع نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف عالمی طاغوتی طاقتوں کے مفادات اور خواہشات کا تحفظ کرتی ہے۔

۲۔ یہ ایک ایسی اسمبلی ہے کہ اقوام عالم اور ممالک اپنے باہمی اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کروانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجائے اس کے قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۳۔ اس طاغوتی ادارے کے بارے میں اقوام عالم کا نظریہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا چارٹر ہر قسم کی تنقید اور اعتراض سے بالاتر ہے اور اس کے ہر حکم اور قانون کو قبول اور نافذ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجے جانے والے طواغیت میں سے اس سے بڑھ کر اور کون سا طاغوت ہو سکتا ہے؟ حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی مسلم ممالک اس کی حاکمیت اور بالادستی کا اعتراف کرنے اور اس ادارے کی رکنیت قبول کرنے میں تردد نہیں کرتے۔

اقوام متحدہ کے منشور کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ:

مساوی حقوق: اقوام متحدہ (ہندو، عیسائی، کیمونسٹ اور مسلمان کے) مساوی حقوق

کے اصولوں کا احترام کرتے ہوئے قوموں کے مابین دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔“
جبکہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (التوبہ: ۲۹)

”جہاد کرو ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے، دین حق قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں۔“

یہ مساوی حقوق کے علمبردار کیسے گوارا کریں گے کہ عیسائیوں و یہودیوں کو ذلیل کر کے ان سے جزیہ وصول کیا جائے؟

اقوام متحدہ کے منشور میں یہ بات شامل ہے کہ: ”کوئی کسی دوسرے ملک کی آزادی کے خلاف طاقت کا استعمال نہ کرے ہر ملک کو اندرونی طور پر ہر طرح کی آزادی حاصل ہو۔“
جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۹۳)

”اور ان سے جہاد کرو حتیٰ کہ فتنہ (شرک و کفر) باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔“

جب اللہ تعالیٰ نے خلافت اسلامیہ کو قوت عطا فرمائی تو اس نے ایران، روم اور ہندوستان پر حملے کیے۔ اور آج بھی یہ حکم منسوخ نہیں۔ جو ملک اقوام متحدہ کے منشور پر ایمان لا کر اس بات کا اقرار کرے کہ وہ کسی دوسرے ملک کی آزادی کے خلاف طاقت استعمال نہ کرے گا وہ اللہ کے اس حکم پر کیسے عمل کرے گا؟

۷: جمہوریت:

جمہوریت ایک ایسا دستور ہے جو وجود کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اپنا ایک خاص نظریہ رکھتا ہے۔ یہ لادینیت کے پرچار کی ایک شکل ہے جس کی بنیاد ملک اور زندگی کے معاملات سے دین کو جدا کر دینے پر قائم ہے۔ جمہوریت کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صرف مسجدیں، گرجے اور دوسرے عبادت خانے ہیں جبکہ زندگی کے باقی تمام معاملات قیصر (بادشاہ وقت) کے لیے ہیں۔

قومی مصلحت کے تقاضا کے تحت قیصر کو مکمل اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص امور یعنی عبادت اور عبادت گاہوں کے معاملات میں دخل اندازی کر سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کو قیصر کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ دین جمہوریت، کے اس نظریے کے خلاف اگر کوئی تحریک اٹھائی جاتی ہے تو یہ الزام لگا کر اسے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دین کو سیاست میں شامل کیا جا رہا ہے یا سیاست کو دین سے آلودہ کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ تحریک اٹھانے والوں پر بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کا الزام لگا کر ایسی تحریک کو مکمل طور پر ختم کر دیا جاتا ہے۔

جمہوریت کے مندرجہ ذیل نکات ایسے ہیں جو اسے اسلام سے جدا کرتے ہیں:

۱: قوم اپنا فیصلہ خود ہی کرے گی۔ یعنی جمہوریت کی نگاہ میں شریعت ساز اور اطاعت کے لائق اللہ تعالیٰ کی بجائے خود اس ملک کے لوگ ہیں۔

۲: آزادی فکر، اگرچہ اس کا نتیجہ دین سے ارتداد کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔

۳: آزادی اظہار: اگرچہ اس کا نتیجہ دین پر طعن و تشنیع کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔ کیونکہ جمہوریت اور اس کے داعیوں کی نگاہ میں دین اعتراض، تنقید اور معاقبہ سے

بالا تر نہیں ہے۔

۴: شخصی آزادی: لوگوں کو جمہوریت کے سائے میں ہر کام کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ اگرچہ

وہ حیوانیت پر ہی کیوں نہ اتر آئیں۔

- ۵: اکثریت کی رائے پر اعتماد کرنا اور اسے مقدس اور محترم سمجھنا اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو۔
- ۶: ہر چیز میں دو ٹنگ اور چناؤ پر انحصار کرنا اگرچہ وہ مقدس چیز اور اللہ تعالیٰ کے دین کا کوئی معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔
- ۷: دو ٹنگ اور چناؤ میں ایک جاہل ترین شخص کی رائے کا ایک بہت بڑے عالم کی رائے کے برابر ہونا۔
- ۸: معیشت میں سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے مضمرات پر انحصار کرنا۔
- ۹: سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں کی تشکیل کی مکمل آزادی، وہ جماعتیں اور پارٹیاں خواہ کسی بھی عقیدہ و فکر اور تفردات کی حامل ہی کیوں نہ ہوں۔
- یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہوریت اور اس کے داعیوں کے ہاں انسان اور اس کی خواہشات معبود اور قابل اطاعت ہیں۔ اس جدید دین میں لوگ اس قدر غلو کا شکار ہیں کہ وہ اس کی بنا پر محبت کرتے اور اسی کی بنا پر دشمنی روا رکھتے ہیں، اسی کی بنا پر جنگ کرتے ہیں اور اسی پر صلح کرتے ہیں۔ جو دین جمہوریت کو اختیار کر لے اس سے ان کی صلح اور محبت ہوتی ہے اور جو اس کا انکار کر دے اس سے جنگ کرتے اور دشمنی رکھتے ہیں۔



دوسری قسم

جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ذاتی طور پر محبوب سمجھا جائے

محبت و نفرت اور دوستی و دشمنی عبادت کے مفہوم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مکمل عبادت گزار بننے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ اسی چیز سے محبت کرے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہو اور اس چیز کو ناپسند کرے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا دوست ہو اس سے دوستی رکھے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو اس سے دشمنی رکھے، اور اس بات سے خوش ہو جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہو اور اس بات سے ناراض ہو جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہو۔ جو غیر اللہ کو یہ حق اور مقام دے کہ محبت و نفرت اور دوستی و دشمنی اس کی بنیاد پر ہو تو ایسا شخص اس غیر کا عبادت گزار ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی، اور اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھی، اللہ تعالیٰ کے لیے عطا کیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی روکا اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔“^①

”ایمان کا سب سے مضبوط سہارا اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی رکھنا، اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھنا، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔“^②

ان تمام چیزوں کو ایمان کا سب سے مضبوط سہارا اس وجہ سے کہا گیا ہے کیونکہ ان تمام امور کے ذریعے سے بندگی درجہ کمال اور اعلیٰ ترین مرتبے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ اس

① أبوداؤد ۴۶۸۰ صحیحہ البانی.

② أحمد، صحیح الجامع الصغیر: ۲۵۳۹.

لیے جس کسی نے دوستی اور دشمنی کا یہ معیار غیر اللہ کے لیے روا رکھا اس نے عبودیت اور بندگی کو اپنے اعلیٰ ترین مراتب کے ساتھ غیر اللہ کے لیے ثابت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس ذات کو بھی سب سے بڑھ کر محبوب سمجھا جائے وہ طاغوت ہوگا۔ کیونکہ پھر اسی کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اور اسی کی خاطر دشمنی رکھی جاتی ہے اور اس بارے میں حق یا باطل کو نہیں پرکھا جاتا۔ ایسا شخص طاغوت بن جاتا ہے کیونکہ اسے ایسی چیز میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا گیا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَنَّادًا يُحْبُوهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾
 ”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت

رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے۔“ (البقرة: ۱۶۵)

جس سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ذاتی طور پر محبت کی جائے وہ طاغوت ہوتا ہے اور اسکی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی یہ حاکم، بزرگ یا جماعت کے لیڈر کی شکل میں ہوتا ہے، کبھی یہ وطن، قوم، قبیلہ، عورت یا مال کی شکل میں ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”درہم کا بندہ تباہ ہو گیا۔“^①

اور فرمایا کہ ”جو شخص ہمیشہ مال بڑھانے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے وہ طاغوت کے

راستے میں ہے اور وہ شیطان کے راستے میں ہیں۔“^②

۱: وطن اور وطن پرستی:

وطن اس وقت طاغوت کے مفہوم میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اللہ بن جائے گا جب وطن اور اس کی جغرافیائی وحدت کی طرف نسبت کی وجہ سے الولاء والبراء کو قائم کیا جائے۔ اور اسی کی بنیاد پر تمام حقوق اور واجبات کو تقسیم کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو کوئی اس وطن کی طرف منسوب ہے اور اس کی حدود میں رہنے والا ہے اگرچہ وہ سب سے بڑا

کافر کیوں نہ ہو اسے تمام حقوق اور سہولیات ملیں۔ اور جو کوئی سکونت اور شہریت کے اعتبار سے اس وطن کا باشندہ نہ ہو اسے وہ حقوق اور سہولیات کبھی نہیں مل سکتیں جو یہ کافر حاصل کر رہا ہے اگرچہ وہ سب سے زیادہ متقی اور افضل ترین انسان ہی کیوں نہ ہو۔

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء کے فتاویٰ میں یہ بات مذکور ہے:
جو شخص یہودیوں، عیسائیوں، تمام کافروں اور مسلمانوں کے درمیان صرف وطن کا ہی فرق رکھتا ہے اور ان کے احکام ایک جیسے سمجھتا ہے وہ شخص کافر ہے۔ (۱-۵۴۱)

اس شخص کے کافر ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس نے عقیدہ الولاء والبراء میں وطن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا اور اس بارے میں عقیدہ و دین کی بجائے وطن اور مٹی کو معتبر سمجھا۔ بہت سے شرعی دلائل اس عقیدے اور نظریے کا رد پیش کرتے ہیں کیونکہ ان دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ الولاء والبراء کے لیے دین اور عقیدہ کو معیار بنانا واجب ہے۔

لوگوں نے وطن کی تعظیم اور اس کو الہ بنانے میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ ملکی نظام تعلیم اور میڈیا کے ذریعے قوم کی تربیت اس طرح کی کہ وہ اپنے ہر عمل کی غرض و غایت وطن ہی کو قرار دے، لوگ وطن کے لیے جہاد کرتے ہیں، وطن کے لیے عطیات دیتے ہیں، وطن کے لیے جان قربان کرتے ہیں اور اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی صرف وطن کے لیے ہی روا رکھتے ہیں۔ اور اس طرح ہر وہ کام جو صرف اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا مندی کے حصول کے لیے کیا جانا چاہیے اسے وہ صرف اور صرف وطن کی خاطر انجام دیتے ہیں۔

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا:
”ایک شخص غنیمت کے حصول کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اپنا آپ دکھانے کے لیے لڑتا ہے ان سب میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سر بلندی کے لیے قتال کرے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔“^①

شرعی طور پر صرف وہی قتال محبوب اور قابل قبول ہے جس کا مقصد صرف اور صرف زمین میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سر بلندی ہو۔ اس کے علاوہ تمام لڑائیاں جھوٹی ہیں کیونکہ ان کی غرض و غایت بھی جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ طاغوت کے راستے کے قتال شمار ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ (النساء: ۷۶)

”جو لوگ ایمان لائے وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو کافر ہیں، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔“

قتال کی دو ہی قسمیں ہیں تیسری کوئی قسم نہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ کے راستے کا قتال ہے یا پھر طاغوت کے راستے کا قتال ہے۔ یہ دونوں بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کے خلط ملط ہونے یا الجھاؤ کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہر وہ قتال جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہیں ہے وہ طاغوت کے راستے کا قتال ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ دو متضاد امور ہیں ایک طرف تو یہ ہے کہ آدمی کے لیے وطن کے راستے میں قربانی دینا اور قتال کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ارض اسلام اور مسلمانوں کے اوطان کا دفاع کرنا ایک شرعی فریضہ ہے اور ہر مسلمان کو یہ فریضہ ضرور سرانجام دینا چاہیے ان دونوں امور میں کس طرح تطبیق دی جائے گی؟ اسی طرح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ: جو آدمی اپنے مال یا عزت کی خاطر قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اس کا کیا مفہوم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: الحمد للہ ان امور کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور اس کے کلمے کی سر بلندی کے لیے کسی چیز کے دفاع میں لڑنے کو اسلام نے مشروع قرار دیا ہے اور ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرب

حاصل کرنے کے لیے افضل ترین عمل ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی تعصب (وطن، قوم یا برادری) کی حمایت کی خاطر اس کے دفاع کے لیے لڑنا باطل ہے اور شرک کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اس سے اعمال کا غیر اللہ کی طرف پھیرنا لازم آتا ہے۔

اسی طرح وطن کی محبت اور اس کی طرف میلان کا ہونا جو کہ شرعی طور پر ایک جائز عمل ہے جبکہ اس کی بنیاد پر الولاء والبراء قائم کرنا ناجائز عمل ہے۔ انسان کا مقصد حیات یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے تمام اعمال صرف اور صرف وطن کی خاطر ہو رہے ہوں۔ یہ بات شرعی طور پر جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے وطن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اکثر لوگ ان دونوں امور کے درمیان خلط ملط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

محمد کریم رحمۃ اللہ علیہ کو مکہ تمام روئے زمین سے زیادہ عزیز تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ محبوب اور اس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ وارفع تھا۔ اسی لیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی جائے پیدائش، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن اور جوانی کے گزرنے کی جگہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب وطن مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر یثرب کی طرف ہجرت فرمائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقے پر چلتے رہے۔ اور ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقے کی اقتداء کرنے والے ہیں۔

۲: قوم اور قومیت:

تاریخ، ملک، زبان اور رنگ و نسل یہ چند ایک ایسی مبادیات ہیں جن پر نظریہ قوم اور قومیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ جو قوم ان خصائص و مبادیات کی بنا پر وجود میں آتی ہے دین اور عقیدہ سے قطع نظر صرف ان بنیادوں پر ان کے درمیان دوستی اور تعاون قائم ہوتا ہے کیونکہ نظریہ قومیت اور اس کے داعیوں کے ہاں دین اور عقیدے کی کوئی خاص وقعت اور حیثیت نہیں ہوتی۔ نظریہ قومیت ان لادین اور غیر مذہب کافر طاقتوں کا خود کاشتہ پودا ہے جو دین کو امور حیات اور امور سلطنت سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔

جو قوم ان اساسيات اور مباديات کے ساتھ تشکیل میں آتی ہے وہ طاغوت کے زمرے میں آتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں الولاء والبراء اور حقوق و واجبات کی تقسیم اس قوم کی طرف نسبت کی بنیاد پر ہی عمل میں آتی ہے۔ جو اس قوم سے تعلق رکھنے والا ہے اسے دوستی اور مدد ملے گی اور وہ تمام حقوق کا حقدار ہوگا اگرچہ وہ زمین کا سب سے بڑا سرکش انسان ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو اس قوم سے تعلق نہیں رکھتا اسے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا اگرچہ وہ زمین کا سب سے نیک انسان ہی کیوں نہ ہو۔ نظریہ قومیت کا اعتقاد رکھنا اور اس کی مدد کرنا طاغوت کا اعتقاد رکھنے اور اس کی مدد کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ جبکہ اسلام دین اور عقیدے کی بنیاد پر دوستی اور اخوت کو واجب قرار دیتا ہے اور اس نے رنگ و نسل اور قومیت سے قطع نظر تقویٰ اور عمل صالح کو لوگوں کے درمیان انضلیت اور شرف کا معیار قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

”بے شک سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔“

سب مسلمان بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے دوست ہیں اگرچہ وہ مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ: ۷۱)

”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار، معاون اور

دوست ہیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے تاکہ تم

آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو تمہارے کہنے اور قبیلے بنائے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور عمل صالح کو فضیلت اور شرف کا معیار قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میرے خاندان کے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسرے لوگوں کی نسبت میرے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے، تم میں سے میرے زیادہ قریب وہ ہے جو متقی ہے وہ جو کوئی بھی ہو اور جہاں کہیں بھی ہو۔“^①

”کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔“^②

”اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کا کبر و غرور اور آباء و اجداد کے ساتھ فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ مومن متقی ہے اور فاجر بد بخت ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ قوموں کی بنیاد پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاہ رنگ کے بدبودار حشرات الارض سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔“^③

”جس نے زمانہ جاہلیت کے کسی تعلق کی تمنا کی وہ جہنم کے گروہوں میں سے ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگرچہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ وہ نماز پڑھتا اور روزے رکھتا ہو۔ تم اللہ کی طرف اپنی نسبت کرو جس نے تمہارا نام ”مسلم“، ”مومن“ اور ”اللہ کے بندے“ رکھا ہے۔“^④

① السنہ از ابن ابی عاصم، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

② مسند احمد: ۲۳۵۳۶۔ ③ ابو داؤد: ۵۱۱۶۔

④ صحیح ترغیب لترہیب ۵۵۳۔

اور فرمایا:

”ایسا شخص ہم میں سے نہیں جس نے جاہلیت کی پکار لگائی۔“^①

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جاہلیت کی پکار سے مراد قبیلوں اور عصبیت کی پکار لگانا ہے، اسی میں فقہی مذاہب مختلف گروہوں اور اپنے اپنے مشائخ کے لیے تعصب کرنا، انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینا، ان کے لیے محبت اور دشمنی کرنا یہ سب جاہلیت کی پکار ہے۔“^②

اسلام کے علاوہ ہر نسبت جاہلیت کی نسبت ہے۔ ہر وہ تعلق جو عقیدہ، دین، عمل صالح اور خشیت الہی کے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر قائم ہو وہ جاہلیت کا تعلق ہے۔ اس تعلق کو ختم کر دینا اور اس سے برأت کا اظہار کرنا واجب ہے۔

قومیت کے بارے میں ہم نے جو رائے پیش کی ہے یہ اس قبیلہ اور خاندان کے بارے میں ہے جس کے ہاں دوستی اور دشمنی کا معیار دین اور اخلاق سے قطع نظر صرف اور صرف قبیلہ یا خاندان کی طرف نسبت ہو۔ صرف وہی شخص دوستی اور مدد کا مستحق ہو جو اپنے قبیلہ یا خاندان کی طرف منسوب ہو اور اس قبیلہ کے رسوم و رواج اور قوانین کو اپنانے والا ہو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس مدد اور دوستی کا مستحق وہ شخص نہیں ہو سکتا جو اس قبیلہ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے خواہ وہ بہترین مسلمان اور مومن ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں قبیلہ اور اس کے رسم و رواج اہل قبیلہ کی نگاہ میں ایک ایسا معبود ہوتا ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔ کیونکہ قبیلہ کے رسم و رواج جس بات کو لازم ٹھہراتے ہیں اسے تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ وہ شریعت میں حرام ہی کیوں نہ ہو۔ جس بات سے قبیلہ کے رسم و رواج اور قوانین روک دیں اس سے رک جایا جاتا ہے اگرچہ وہ کام شریعت میں واجب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ واضح شرک اور کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

② فتح المجید: ۳۱۹۔

① صحیح نسائی: ۱۷۵۶۔

﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ (الأنعام : ۱۲۱)

”اور اگر تم نے ان لوگوں کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔“

یعنی اگر اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے میں ان کی بات مانو گے تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو جاؤ گے۔

بعض قبائل اور خاندانوں میں دوستی اور محبت کی ایک یہ صورت بھی معروف ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے کارنامے بڑے فخریہ انداز سے بیان کرتے رہتے ہیں اس بات سے قطع نظر کہ وہ دین پر قائم بھی تھے یا نہیں۔ بلا شک و شبہ اسلام نے اس بات سے منع کیا ہے اور بڑی سختی سے اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دو آدمیوں نے اپنا نسب نامہ بیان کیا۔ ایک کہنے لگا: میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اپنی نوپشتیں گنوانے کے بعد دوسرے کو گالی دے کر کہنے لگا کہ تو کون ہے؟ دوسرا کہنے لگا: میں فلاں ہوں فلاں کا بیٹا اسلام کا بیٹا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں نسب بیان کرنے والوں سے کہہ دو: پہلا شخص جو نو لوگوں کی طرف اپنی نسبت بیان کرنے والا ہے وہ نو لوگ سب کے سب جہنمی ہیں اور تو دسواں بھی ان کے ساتھ جہنمی ہے۔ دوسرا شخص جو دو کی طرف نسبت بیان کرنے والا ہے وہ دونوں جنتی ہیں اور یہ تیسرا بھی ان کے ساتھ جنتی ہے۔“^①

۳: انسانیت پرستی:

انسانیت پرستی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے تمام لوگ یکساں حقوق و واجبات کے مستحق ہیں اگرچہ وہ مختلف مذاہب و عقائد کے حامل ہی کیوں نہ ہوں۔ اس طرح لوگوں میں نیک ترین اور سب سے اعلیٰ اخلاق کا حامل شخص انسان ہونے کے ناطے دنیا کے

سب سے بڑے کافر اور بد بخت ترین شخص کے برابر ہوتا ہے۔ جب تک یہ دونوں ایک ہی اصل نسل انسانی کی طرف منسوب ہیں ان دونوں کے حقوق و واجبات میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا جبکہ اسلام میں مؤمن کے حقوق کافر کے حقوق سے بالکل مختلف ہیں بلکہ ایک فاسق مسلمان حقوق و واجبات میں متقی شخص کے برابر نہیں ہو سکتا۔

جب انسانیت پرستی انسان کی زندگی کا ایک خاص شعار بن جائے اور اسی کی بنیاد پر وہ دوستی اور دشمنی کو اختیار کرے، اسی کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرے اور اسی کے لیے صلح و جنگ کا اعلان کرے تو اس صورت میں اس کا یہ شعار طاغوت کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ اس قسم کی محبت کے نقصانات میں سے یہ نقصان بھی ہے کہ اس کا دعویدار جو بھی عمل کرتا ہے اس میں اللہ کے رضا مقصود نہیں رہتی نہ وہ جنت کے حصول اور جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے یہ عمل کرتا ہے اس طرح وہ انسانیت کو اللہ کا شریک بنا دیتا ہے۔ ایسا شخص جب بھی کوئی رفاہ عامہ کا کام کرتا ہے تو اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ اگر کبھی اپنا مال خرچ کرے تو انسانیت کے نام پر خرچ کرتا ہے۔ اگر قتال کرے تو انسانیت کے نام پر قتال کرتا ہے۔ اگر مر جائے تو انسانیت کے نام پر مرتا ہے۔ غرض جو بھی عمل کرتا ہے اسے اللہ کی رضا کے بجائے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ انسانوں کے ہاں انسانیت ایک الہ کا روپ دھار چکی ہے جسے وہ دوستی اور دشمنی کا معیار مانتے ہیں۔

اسلام میں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق کی صلہ رحمی، بے کسوں کا بوجھ اٹھانا، جو کما نہیں سکتے انہیں کما کر دینا، مہمان نوازی اور حق کے سلسلے میں جو تکالیف آئی ہیں ان میں مددگار ہونا معروف ہے۔ وہ انسانوں کے ساتھ احسان و سلوک کی خوبیوں سے متصف تھے۔ لیکن مختلف مذاہب یعنی ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان کے یکساں حقوق و واجبات تسلیم کرنا اور انسانیت کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کو اختیار کرنا کفار کے ساتھ حسن سلوک میں داخل نہیں بلکہ انسانیت کو اللہ کا شریک بنانا ہے۔



تیسری قسم ساحر (جادوگر)

ساحر بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اس کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ مارنے، بیمار کرنے، کاروبار کی بندش کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی، صحت اور پریشانیوں سے نجات دینے پر قادر ہے یعنی وہ جس پر چاہے تکلیف نازل کر دے اور جس کی چاہے تکلیف دور کر دے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک اہم ترین صفت ہے۔

اس کے باوجود اکثر لوگ توحید سے لاعلمی اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے حق سے بے خبری کی وجہ سے ساحروں کی اس حوالے سے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ وہ ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کے لیے فلاں فلاں فوائد حاصل کر سکتے ہیں اور مریض سے دکھ اور تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ساحر طاغوت اور کافر ہے، اسلام میں اس کی حد یہ ہے کہ اس کی گردن پر اس قدر شدت کے ساتھ ضرب لگائی جائے کہ اس کا سرتن سے جدا ہو جائے۔

اس کے کافر ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (البقرة: ۱۰۲)

”اور وہ (یہود) ان جنسوں میں سے تھے جو سلیمان کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے دور حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے سلیمان نے کفر کبھی نہیں کیا بلکہ کفر تو وہ شیطان

کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھلاتے تھے اور (یہ یہود اس کے بھی پیچھے لگ گئے)
جو بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتاری گئی تھی یہ فرشتے کسی کو کچھ نہ سکھلاتے
جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو تمہارے لیے آزمائش ہیں تو تم کافر نہ بنو۔“

امام قرطبی آیت کریمہ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے سلیمان کو کفر سے بری قرار دیا ہے۔ جبکہ پیچھے آیت میں کہیں بھی
اس بات کا تذکرہ نہیں ہوا کہ کسی نے سلیمان علیہ السلام کو کفر کی طرف منسوب کیا
تھا، البتہ یہودیوں نے انہیں سحر یعنی جادو کی طرف منسوب کیا تھا۔ جب سحر کو کفر
قرار دیا گیا تو ان کی سحر کی طرف نسبت ایسے ہی ہے گویا کہ انہیں کفر کی طرف
منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا﴾ گویا سحر
کی تعلیم دینے کی وجہ سے شیاطین کا کفر ثابت ہو گیا۔“

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے جادو اور اس کے مطابق عمل کرنے کو نواقض الاسلام
میں شامل کیا ہے جس سے بندہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔^①
جزیرہ عرب کے علمائے توحید نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔



چوتھی قسم

کاہن

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ یہ غیب اور زمانہ مستقبل کی خبریں جاننے کے دعویدار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے ہے کہ غیب کا علم اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الأنعام : ۵۹)

”اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔“

اس لیے مخلوق میں سے جو کوئی بھی علم غیب اور مستقبل کی خبریں دینے کا دعویٰ کرے وہ کاہن، طاغوت اور سرکشوں کا امام ہے۔ جو اس کے اس دعویٰ کو ثابت کرے گا اس نے اس کے لیے الوہیت کے خصائص کو ثابت کر دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا معبود بنا لیا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طواغیت کی بہت سی اقسام ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ ان میں

ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

﴿عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾

(الجن : ۲۶)

”وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا۔ سوائے ان کے

جنہیں رسول کی حیثیت سے منتخب فرماتا ہے۔“^①

پیالے گھمانے والے، ہاتھ دیکھنے والے، فال نکالنے والے اسی طرح ستاروں اور برجوں کا علم جو اکثر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں شائع ہوتا ہے بھی کہانت اور کاہن کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اور یہ علم غیب کی وہ قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”فال نکالنے والا اور جس کے لیے فال نکالی جا رہی ہو، کاہن اور جسے کہانت کی خبریں دی جا رہی ہوں، جادوگر اور جس کے لیے جادو کیا جا رہا ہو ان سب کا ہمارے دین سے کوئی تعلق نہیں۔“^①

اور فرمایا:

”جو کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا سمجھا، اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کیا۔“^②

موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بہت سے پوجے جانے والے طواغیت ہیں اور وہ مختلف اقسام اور شکل و صورت کے حامل ہیں۔ ایک کتاب میں ان کا شمار بہت مشکل ہے۔ اس لیے طواغیت کی پہچان کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جا رہی ہو اور اس کے لیے عبادت کا کوئی بھی پہلو اختیار کیا جا رہا ہو، وہ اس پر راضی بھی ہو تو یہ طاغوت ہے جس سے اجتناب کرنا اور اس کا کفر کرنا واجب ہے۔



① صحیح جامع الصغیر ۵۴۳۰۔

② احمد۔ صحیح الجامع ۹۳۹۔

کفر بالطاغوت کا طریقہ

یہ بات جان لینے کے بعد کہ طاغوت سے کفر کرنا لازمی امر ہے اور اس سے کفر کیے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، طاغوت سے کفر کے طریقوں کو جاننا بھی بہت ضروری ہے تاکہ عملی زندگی میں اس کا اظہار کیا جاسکے۔ طاغوت کے انکار کا اگر صرف زبانی طور پر دعویٰ کیا گیا اور عملی زندگی میں اس کا کوئی اظہار نہ کیا گیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے گا:

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (الصف: ۳)

”اللہ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”طاغوت سے کفر کے معنی یہ ہیں کہ طاغوت سے بیزاری کا اعلان کیا جائے اور اس کے گمراہ اور کافر ہونے کی گواہی دی جائے، اس سے نفرت کی جائے اگرچہ وہ طاغوت بھائی یا باپ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں مگر قبروں اور مزاروں یا ان پر بنے ہوئے قبوں کے بارے میں کچھ نہیں کہتا ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تو ایسا شخص لالہ الا اللہ کی گواہی میں جھوٹا ہے نہ تو اس کا اللہ پر ایمان ہے اور نہ ہی اس نے طاغوت کا کفر کیا۔“^①

۱۔ عبادت کا انکار کرنا:

ایک مومن اس عبادت کا انکار کرے جو اللہ کے سوا کسی طاغوت کی ہو رہی ہو اور وہ یہ اعتراف کرے کہ عبادت کی ہر قسم صرف اللہ کا حق ہے۔

① مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدية: ۴/۳۳.

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِن إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (المومنون: ۲۳)

”یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔“

﴿أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (الطور: ۴۳)

”کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔“

۲۔ عبادت ترک کرنا:

کفر باطاغوت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ خود طاغوت کی عبادت کو ترک کرے اور اللہ اکیلے کی عبادت کرے۔

﴿قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (المومن: ۶۶)

”آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، جبکہ میرے پاس واضح دلائل آچکے ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العالمین کا فرمانبردار بن کر رہوں۔“

﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ﴾ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۴، ۶۵)

”آپ ان سے کہئے جاہلو کیا تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کروں؟ حالانکہ آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف بھی جو آپ سے پہلے تھے یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل

برباد ہو جائیں گے اور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔“

۳۔ حق کا برملا اظہار کرنا:

کفر باطاغوت اس صورت میں بھی ہوگا کہ طاغوت کے سامنے حق کا برملا اعلان کرتے ہوئے اپنے عقیدہ و منہج کا کھل کر اظہار کیا جائے۔

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ

اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف ۱۰۸)

”آپ کہہ دیجئے کہ میرا راستہ یہی ہے کہ میں اور میرے فرماں بردار پورے

یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں

مشرکوں میں سے نہیں۔“

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الکافرون: ۶)

”تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔“

۴۔ طاغوت کو کافر قرار دینا:

کفر باطاغوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں کافر قرار دیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ (الکافرون: ۱)

”آپ کہہ دیجئے: اے کافرو!“

اللہ تعالیٰ نے طاغوت کی بندگی کرنے والوں کو بھی کافر کہا:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ

وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ

شَرٌّ مِّمَّا كَانُوا بِالسَّبِيلِ ۝ وَإِذَا جَآؤُكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ

دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ﴾

(المائدہ ۶۱، ۶۰)

”کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اللہ کے ہاں انجام کے لحاظ سے اس سے بھی بدتر انجام والے کی خبر دوں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر اس کا غضب نازل ہوا پھر ان میں سے بعض کو بندر اور سوّر بنا دیا جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی، یہی لوگ درجے کے لحاظ سے بدتر اور سیدھی راہ سے بہتے بہکے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ جب وہ آئے تب بھی کافر تھے اور جب گئے تب بھی کافر اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ خوب جاننے والا ہے۔“

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

(الانبیاء ۹۹-۹۸)

”تم اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، اور یہ سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

اہل کتاب طاغوت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے جہنم جائیں گے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ لَنُغْفِرُ لَهُمْ ذُنُوبَهُمْ وَلَنُكْفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَفْضَلِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝﴾

(النساء ۵۲، ۵۱)

”کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ علم دیا گیا ہے وہ جنت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان ایمان والوں سے تو یہی لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے آپ اس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔“

جبت سے مراد اعمال سفلیہ مثلاً: جادو، شعبدہ، ٹونے ٹونکے، رمل جفر، فال گیری، ہاتھ کی لکیروں کا علم، علم نجوم، آگ پر چلنا اور اس قسم کی دوسری خرافات ہیں۔

طاغوت جو دراصل خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے:

﴿وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَلَيْسَ بَدْعٍ لَكَ نَجَرِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ (الأنبياء: ۲۹)

”اور ان میں سے جو شخص کہے کہ اللہ کے علاوہ میں بھی الہ ہوں اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔“

طاغوت کی تکفیر سے متعلق چند اہم مسائل

۱۔ تکفیر کی اہمیت:

بہت سے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ طواغیت کی تکفیر کا کیا فائدہ؟ اس سے اُن کی اصلاح تو نہیں ہوتی، اس لیے تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ سوال دراصل اس مسئلہ کی اہمیت سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اللجنة الدائمة للافتاء کے رکن علامہ ڈاکٹر صالح الفوزان حفظہ اللہ کا فر کی تکفیر کی اہمیت یوں بیان فرماتے ہیں:

”اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اُس شخص کو کافر قرار دیا ہے:

جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ غیر اللہ چاہے کوئی بھی کیوں نہ ہو؟ یا انبیاء میں سے کسی نبی کا انکار کرتا ہے یا ایمان کے چھ ارکان میں سے کسی رکن کو تسلیم نہیں کرتا۔ ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور اس میں نہ تو شک و تردد ہونا چاہیے، نہ اُس کے باطل عقائد کو صحیح قرار دینا چاہیے اور نہ اسے کفر سے بری قرار دینے کے لیے عذر تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ دین میں سودے بازی نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور نہ ہی دین کے مسلمات سے پیچھے ہٹنے کی اجازت ہے۔ اس لیے دین کو صاف صاف بیان کرنا اور اس کے منافی امور سے برات کرنا واجب ہے۔

ہر طرح کے کفار اور مشرکین کی تکفیر کرنا واجب ہے، اس حقیقت کو جاننے کے بعد یہ یقین ہونا چاہیے کہ اس عقیدہ کے بغیر انسان کا اسلام درست نہیں ہوتا نہ ہی اُس کا دین مستقیم ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کے ہاں سب لوگوں کو برابر نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُسے لوگوں میں حق و باطل، مومن و کافر اور موحد و مشرک کثیر لائق رکھنی چاہیے جیسا کہ اللہ نے اُن پر حکم لگاتے ہوئے فرق کیا ہے۔ کفار کی تکفیر پر بہت سے شرعی احکام کی بنیاد اٹھتی ہے، چند ایک کا ہم یہاں تذکرہ کرتے ہیں:

پہلی بات: کفار سے بغض و عداوت رکھنا فرض ہے چاہے وہ انسان کے کتنے ہی قریبی کیوں نہ ہوں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾

”اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لیے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ وہ حق جو تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کا انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں بھی جلا وطن کرتے ہیں محض اس وجہ سے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاتے ہو۔ اب اگر تم (مکہ سے) میری راہ میں جہاد اور میری رضا جوئی کے لیے نکلے ہو تو خفیہ طور پر ان کے پاس محبت کا پیغام بھیجتے ہو؟ جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں، اور تم میں سے جو بھی ایسا کام کرے وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔“

اور فرمایا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا

لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ
وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ
وَحَدَّهُ ۖ (الممتحنہ: ۱، ۳)

”تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے جب انہوں نے
اپنی قوم سے صاف کہہ دیا، تم سے بیزار ہیں اور ان سے بھی جن کی تم اللہ کے
سوا عبادت کرتے ہو ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ
ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بیر پیدا ہو چکا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔“

اور فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ
أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ﴾

(المجادلة: ۲۲)

”جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں آپ انہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ
اللہ اور رسول کے مخالفین سے دوستی لگائیں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے
ہوں یا بھائی یا کنبہ والے یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر
دیا ہے اور اپنی طرف سے روح سے مدد کی۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ
لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ: ۲۵۶)

”اب جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسے
مضبوط حلقے کو تھام لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

ثابت ہوا کہ اللہ پر ایمان اور طاغوت پر ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا، پہلے طاغوت

سے کفر ہے پھر اللہ پر ایمان۔ طاغوت سے کفر کرنا، کفار سے دشمنی رکھنا، اُن سے بغض رکھنا واجب ہے چاہے وہ ہمارے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں، کافر چاہے ماں، باپ، بھائی یا خاندان اور قبیلہ کا فرد ہی کیوں نہ ہو اُس سے دشمنی اور برأت کی جائے گی۔ ارشادِ باری ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾

(التوبہ: ۱۱۳)

”اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش طلب کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مشرکین جہنمی ہوتے ہیں۔“

(خلاصہ کلام یہ ہے کہ چونکہ ولاء و براء دین کا بنیادی اصول ہے جس پر ایمان و عمل تبھی ممکن ہے کہ انسان لوگوں میں سے بعض کو مسلم اور بعض کو کافر سمجھے، اگر وہ سب کو ایک جیسا ہی سمجھتا ہے، کافر اور مسلم کی پہچان نہیں کرتا تو وہ اس بنیادی عقیدہ پر ایمان نہیں لاسکتا۔ مؤلف)

دوسری بات: مشرک کی تکفیر پر جو شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک اور کافر وفات پا جاتا ہے تو مسلمان اُس کے جنازے کے ذمہ دار نہیں ہوتے الا یہ کہ اُسے دفن کرنے والا کوئی کافر نہ پایا جائے، تب اُسے مسلمانوں کے قبرستان کے علاوہ کسی اور جگہ دفنایا جاتا ہے، کیونکہ اُس کی میت کھلی پڑی رہی تو لوگوں کو اُس کی بدبو سے تکلیف پہنچے گی۔ وگرنہ مسلمان کافر کے جنازہ کے ذمہ دار نہیں ہیں، نہ وہ اُسے غسل دیتے ہیں اور نہ کفن، نہ اُس کی میت اٹھاتے ہیں اور نہ اُسے دفن کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، اسی طرح اُسے مسلمانوں کے قبرستانوں میں بھی دفنایا نہیں جاتا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِي وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ

كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (التوبہ: ۸۴)

”اور ان منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو نہ ان کی صلوٰۃ (جنازہ) پڑھنا اور نہ

ان کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔“

رہا مسئلہ کافر مریض کی عیادت کا تو اُس کی عیادت توحید کی دعوت دینے کی نیت سے کی جاسکتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی کی عیادت کی اور اُسے اسلام کی دعوت دی، اسی طرح آپ نے اپنے چچا ابوطالب کی عیادت کی اور اُسے کہا:

((یا عم، قل لا اله الا الله)) ❶

”اے چچا لا اله الا الله کہہ دو۔“

تیسری بات:..... اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان تعلق اور رشتہ داری کو توڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم)) ❷

”نہ مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلم کا۔“

چوتھی بات:..... کافر کی تکفیر پر جو شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ کافر مرد کا مسلمان خاتون سے نکاح کرنا درست نہیں ہے، تاکہ اُس خاتون کے دین کو کوئی خطرہ نہ رہے اور وہ اس کے عملداری میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۱)

”مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے

آئیں، ایک مومن غلام، آزاد مشرک سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ اچھا لگے۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ (النساء: ۱۴۱)

”اللہ نے کافروں کے لیے مومنوں پر غلبہ کی صورت ہرگز نہیں رکھی۔“

اس لیے کسی مسلمان خاتون کا کسی یہودی، نصرانی، بت پرست سے بیاہ کرنا کسی صورت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کافر عورت بت پرست، ملحد یا مرتدہ ہے تو اُس سے کسی مسلمان مرد کے لیے شادی کرنا جائز نہیں، البتہ پاکدامن یہودی اور نصرانی خاتون سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔

پانچویں بات:..... کفار کی تکفیر و برأت پر جو شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان کے ممالک سے ہجرت کرنا اور مسلمانوں کے معاشروں میں رہنا واجب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْفَالِغَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا أَمْرَ الرَّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝﴾ (النساء: ۹۷ تا ۹۹)

”جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے، جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں مبتلا تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“

چھٹی بات:..... کفار کی تکفیر پر ایک شرعی حکم یہ بھی مرتب ہوتا ہے کہ مشرکوں اور کافروں سے سلام کرنے میں پہل کرنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

”یہود و نصاریٰ سے سلام کرنے میں پہل مت کرو، اگر وہ سلام کہیں تو انہیں وعلیکم کہو۔“ ❶

ساتویں بات: انہیں مکہ المکرمہ کی حدود حرم میں داخل نہیں ہونے دینا

چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ: ۲۸)

”اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک نجس ہیں لہذا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا ڈر ہو تو اللہ اگر چاہے تو جلد ہی تمہیں اپنی مہربانی سے غنی کر دے گا بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

اسی طرح مسلمانوں کے ولی الامر (شرعی حاکم) کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کفار کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرے کیونکہ جزیرہ عرب رسالت اور دعوت کا منبع ہے اس میں اسلام کے سوا کسی اور دین کا باقی رہنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يبقی فی جزیرۃ العرب دینان))^۱

”جزیرہ عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔“

اگر کوئی کافر وقتی طور پر مسلمانوں کی کسی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جزیرہ میں آتا بھی ہے تو انہیں ان کے شعائر کا اظہار کرنے کی اجازت نہیں، نہ وہ بلاد مسلمین میں گرجے گھر تعمیر کر سکتے ہیں، ان کی آزادی اُن جگہوں تک ہے جہاں وہ ایک محدود مدت کے لیے ٹھہرے ہیں، ان کو مسلمانوں کے ممالک میں اپنے کفر کا اظہار نہیں کرنے دیا جائے گا۔ یہ معاملہ صرف یہود و نصاریٰ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں سارے مشرک شامل ہیں وہ بھی جو قبروں کے پجاری ہیں۔ انہیں بھی دربار و مزار بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، نہ قبروں پر عمارت تعمیر کرنے کی رخصت ہوگی۔ مسلمانوں کے حکام پر ان درباروں کو ڈھانا واجب ہے۔

(اس کے بعد شیخ حفظہ اللہ نے کافر کی تکفیر سے مرتب ہونے والے مزید تین نکات ذکر کیے ہیں جنہیں ہم طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کر رہے۔) ❶

۲۔ طاغوت کی تکفیر کا طریقہ

طاغوت کی تکفیر اجمالاً کرنا ہوگی یعنی یہ عقیدہ رکھنا ہوگا کہ جو بھی اللہ کے سوا بخوشی و رضا اپنی عبادت کرواتا ہے وہ طاغوت اور کافر ہے۔ ایک ایک طاغوت کا نام لے کر اُسے کافر کہنا کفر بالطاغوت کے لیے شرط نہیں ہے، انسان کا اجمال کے ساتھ ہر باطل خدا کو کافر کہنا ہی طاغوت کا انکار کرنا ہے۔

کیا طاغوت کو کافر کہنا کفر بالطاغوت کے لیے شرط ہے؟

الف:..... اگر طاغوت اصلی کافر ہے یا اُس کے مرتد ہونے پر امت کا اجماع ہے جیسے قادیانی تو یقیناً ان کی تکفیر کرنا کفر بالطاغوت کے لیے شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔
نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((من قال لا اله الا الله وكفر بما يعبد من دون الله حرم ماله ودمه)) ❷

”جس نے لا اله الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ کے ماسوا جن کی بندگی کی جا رہی ہے ان سے کفر کیا، اُس کا مال اور خون مسلمانوں پر حرام ہو گیا۔“

((من وحد الله وكفر بما يعبد من دون الله حرم ماله ودمه)) ❸
”جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اللہ کے ماسوا جس جس کی عبادت کی جا رہی ہو اس سے کفر کرے تو اُس کا مال اور خون (مسلمانوں پر) حرام ہے۔“

علامہ ابن باز رحمہ اللہ ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”آپ ﷺ نے مال و جان کی تحریم کو لا اله الا اللہ کا اقرار کرنے، اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور طاغوت کے ساتھ کفر کرنے کے ساتھ مشروط کیا

ہے۔ مسلمانوں پر اُس کا مال و خون اس وقت تک حرام نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتا اور طاغوت کا کفر نہیں کرتا یعنی غیر اللہ کی عبادت کا انکار نہیں کرتا۔ اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جائے اور وہ اپنی عبادت پر راضی ہو اُسے طاغوت کہتے ہیں۔ طاغوت سے کفر کے معنی یہ ہوئے: غیر اللہ کی عبادت کا انکار کرنا، برأت کرنا اور اُس کے باطل ہونے کا یقین رکھنا اس آیت کریمہ کی بھی یہی تفسیر ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنِ بِاللَّهِ﴾

جو کوئی کافر اور اُس کے باطل عقیدہ کو جانتا ہے اور پھر اُس کی تکفیر نہیں کرتا، یا اُس کے کفر میں شک کرتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے والا ہے۔ یہود و نصاریٰ قرآن و سنت کی نص کی رو سے کفار ہیں اس لیے مسلمانوں پر انہیں کافر و گمراہ سمجھنا واجب ہے۔ اس لیے جو انہیں کافر نہیں سمجھتا یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے وہ انہی جیسا ہے۔“^①

علامہ عبدالعزیز بن عبد اللہ راجی حفظہ اللہ (پروفیسر جامعہ امام محمد بن سعود، ریاض) فرماتے ہیں: ”جو کوئی مشرکین کی تکفیر نہیں کرتا وہ درحقیقت کفر بالطاغوت نہیں کرتا، جو یہود و نصاریٰ کے کفر میں شک کرتا ہے، یا ان کے مذہب کو صحیح کہتا ہے وہ طاغوت کا انکار نہیں کرتا اس لیے وہ مومن نہیں ہے، اس بات کی دلیل کہ مشرکوں کی تکفیر سے رکنا، یا ان کے کفر میں شک کرنا، یا ان کے مذہب کو درست کہنا کفر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنِ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرة: ۲۵۶)

اس لیے جو کوئی مشرکین کو کافر نہیں سمجھتا، یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے راستہ

کو بھی درست قرار دیتا ہے تو وہ طاغوت کا انکار نہیں کرتا، اُس کا کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ) پر ایمان درست نہیں، بلکہ اُس نے اس عمل سے کلمہ کا انکار کر دیا ہے کیونکہ یہ عمل کلمہ کا اعتبار ختم کر دینے والے امور میں سے ہے۔ توحید اور ایمان دو امور کے بغیر معتبر نہیں۔

پہلی بات کفر بالطاغوت اور دوسری ایمان باللہ ہے۔ اسی لیے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ نفی اور اثبات پر مشتمل ہے، غیر اللہ کی عبادت کی نفی اور اکیلے اللہ کی عبادت کا اثبات۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کو معبود مانتا ہوں، اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاتا ہوں کیا اتنا کہنے سے یہ مومن بن جائے گا؟ نہیں! صرف اللہ کو معبود ماننا توحید نہیں ہے، توحید پر ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے سوا ہر معبود کی عبادت کی نفی کی جائے، اسی کو کفر بالطاغوت کہتے ہیں۔“ ❶

ب:..... اگر طاغوت اصلی کا فر نہیں اور نہ ہی اُس کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے تو ایسی صورت میں کلمہ گو طواغیت سے کفر کرنے کے لیے انہیں کا فر قرار دینا کفر بالطاغوت کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ بعض غلو کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ جو فلاں اور فلاں حاکم کو کا فر نہیں کہتا وہ کفر بالطاغوت نہیں کرتا لہذا وہ خود بھی مومن نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان طواغیت کی عبادت کا انکار کرنا، ان کے نظاموں کو باطل اور کفریہ جاننا، ان کے کفریہ قوانین کو واجب الاطاعت نہ سمجھنا اور ان سے عداوت رکھنا ہی کفر بالطاغوت کرنا ہے۔

شیخ العلامة ابو محمد المقدسی فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں:

”ہر وہ شخص جو طاغوت کی عبادت سے اجتناب کرتا ہے، اُس سے دوستی اور موالات نہیں کرتا، اسکے کفریہ دین کی اطاعت، اور کا فرانہ قوانین کی فرمانبرداری سے دور رہتا اور برأت کرتا ہے یقیناً وہ طاغوت سے اجتناب اور کفر کرنے والا ہے، اگرچہ وہ اُس طاغوت کی تکفیر نہ بھی کرتا ہو یا کفر کے علاوہ دیگر گناہ کے کاموں میں اُس کی فرمانبرداری ہی کیوں نہ کرتا ہو، تب بھی وہ مومن اور طاغوت سے کفر کرنے والا شمار ہوگا۔ یہی بات حق ہے چاہے غلو کرنے والوں کو کتنی ہی

بری کیوں نہ لگے۔

ہاں وہ شخص یقیناً طاغوت سے اجتناب نہیں کرتا جو اُس کی عبادت کرتا ہے یا کفریہ عقائد و اعمال میں اُس کی اطاعت کرتا ہے، ایسا شخص کافر ہے چاہے وہ طاغوت کی تکفیر ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے کلام سے اُس کے کلام کی تفسیر معلوم کرنا تفسیر کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ ”طاغوت سے اجتناب کرو۔“

اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان سے کرتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾

”اور جو لوگ طاغوت کی عبادت کرنے سے بچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہے۔ ان کے لیے بشارت ہے لہذا میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ﴾ کی وضاحت اپنے اس فرمان میں فرماتا ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ﴾

”وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا کفر کریں۔“

ان آیات سے واضح ہے کہ طاغوت سے اجتناب سے مراد اس کی عبادت سے اجتناب کرنا ہے، اسی طرح طاغوت سے کفر کرنے کا معنی اس کے نظام، قانون کی اطاعت سے باز رہنا ہے۔ اسی طرح طاغوت کی دوستی اور محبت سے بچنا بھی کفر بالطاغوت کے مفہوم میں شامل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَلَائُهُ مِنْهُمْ﴾ ”جو اُن سے دوستی

لگائے، وہ انہی میں سے ہے۔“

رہا اجتناب اور کفر بالطاغوت کا یہ معنی کہ جب تک ہر طاغوت کو کافر نہ کہا جائے تب تک یہ اجتناب اور کفر ہو ہی نہیں سکتا تو یہ تفسیر غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے سوا ہر ایک کی عبادت کا انکار و کفر کرنے کا حکم دیا ہے چاہے وہ طاغوت نہ بھی ہو جیسے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، فرشتوں اور صالحین کی عبادت، جبکہ ان شخصیات کی تکفیر کرنا نہ صرف حرام بلکہ کفر ہے۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے ہمیں اُن بتوں اور اصنام سے بھی کفر کا حکم دیا ہے جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان یہ بات جانتا ہے کہ اُن کی خدائی کو جھٹلانا، ان سے برأت کرنا ہی ان بتوں کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ انہیں کافر کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ تو پتھر ہیں جو نہ عقل رکھتے ہیں اور نہ شعور۔

الغرض ہر وہ شخص جو اسلام کی بنیاد تو حید پر ایمان رکھتا ہے اور اسلام کو توڑ دینے والے امور میں سے کسی کا ارتکاب نہیں کرتا، اُسے مسلمان کہنے کے لیے اُس کا امتحان لینا اور طواغیت کی ایک لمبی چوڑی لسٹ اُس کے سامنے رکھ کر اُس سے پوچھنا کہ تو فلاں اور فلاں کو کافر کہتا ہے یا نہیں، اُن غالیوں کا طریقہ ہے جو خود بھی ہلاکت میں پڑے اور دوسروں کے سامنے بھی اسلام کو خوفناک انداز میں پیش کر کے مصیبت میں ڈالا۔

قرآن و حدیث میں اللہ کے سوا پوجے جانے والے خداؤں کے انکار کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہر ایک کا نام لے کر اُس سے برأت کی جائے اور کفر کا فتویٰ لگایا جائے بلکہ اسلام نے اجمال کا طریقہ اپنایا ہے یعنی یہ کہنا اور عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ اللہ کے سوا ہر پوجے جانے والے کی بندگی باطل ہے اور اس کی عبادت کرنا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اس فرمان سے یہی مفہوم نکلتا ہے:

”جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ کے ماسوا جن کی بندگی کی جارہی ہے ان سے کفر کیا، اُس کا مال اور خون (مسلمانوں پر) حرام ہو گیا۔“ (صحیح مسلم) ❶

❶ الرسالة الثلاثينية في التحذير من الغلو في التكفير: صفحہ ۴۰۷، ۴۰۹ تا ۴۰۷.

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے اسی کتاب کی فصل نمبر ۳۱۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ شیخ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں ظالموں کے قید سے رہائی نصیب فرمائے۔ آمین)
ج:..... طاغوت کی تکفیر کا مسئلہ دراصل شریعت کے اس قاعدہ سے تعلق رکھتا ہے:
(من لم یکفر الکافر فهو کافر))

”جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔“

اس قاعدہ کو امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ”نواقض الاسلام“ میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ سے پہلے سلف صالحین میں سے کئی ایک اہل علم نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس قاعدہ کو فہم سلف کے مطابق سمجھنا ہی اس کی درست تفہیم ہے، اپنی عقل اور رائے سے اس کی تفہیم و تطبیق گمراہی کے دروازے کھولنا ہے۔
کافر قرار دینے کے لحاظ سے طواغیت دو قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں:

۱: وہ طواغیت جو اسلام کی طرف منسوب نہیں مثلاً یہود، نصاریٰ، ہندو اور کمیونسٹ جو ان کو کافر اور مستقل جہنمی نہیں کہتا یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا جہنمی ہونے میں توقف کرتا ہے تو پس وہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تکذیب کرتا ہے:
﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (البائتہ: ۱۷)
”بے شک وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔“

۲: وہ طواغیت جو اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اسلام کے بعض شعائر پر عمل کرتے ہیں یعنی نماز پڑھتے، حج اور عمرہ کرتے، مساجد تعمیر کرتے اور صدقات دیتے ہیں۔ لیکن شرک کرتے ہیں، لوگوں سے اپنی بندگی کرواتے اور اعلانیہ کفریہ نظریات کی طرف دعوت دیتے ہیں یہ بھی کفار ہیں انہیں منافق کہنا درست نہیں کیونکہ منافق اپنے کفر کو دل میں چھپاتا ہے اور اسلام کا اظہار کرتا ہے، ایسا شخص جو اعلانیہ کفریہ اعمال کرتا ہے منافق کیسے ہو سکتا ہے؟

ان کو کافر نہ کہنے والوں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت:..... ان لوگوں کی ہے جو ان طواغیت کے کفر و شرک کو درست سمجھتے ہیں، کفریہ امور میں ان کی مدد کرتے ہیں، اللہ کے دین کو ختم کرنے کی کوششوں میں ان کی تائید کرتے ہیں، اور اللہ کے اُن نیک بندوں سے دشمنی کرتے ہیں جو ان طواغیت کی مخالفت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں، کیونکہ کفر بواح کو اسلام اور کافر کو مسلمان کہنا اللہ کی صریح آیات کو جھٹلانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کے جھٹلانے اور اس کا انکار کرنے والے کو کافر کہا:
﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ﴾ (الزمر: ۳۲)

”پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب حق بات اس کے سامنے آئی تو اسے جھٹلایا۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے؟

﴿وَمَا يَجْعَلُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ﴾ (العنکبوت: ۴۷)

”اور ہماری آیات سے انکار تو کافر لوگ ہی کرتے ہیں۔“

دوسری صورت:..... ان لوگوں کی ہے جو ان کے شرک کو شرک سمجھتے ہیں، البتہ وہ انہیں جہالت کا عذر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ غلطی خوردہ مسلمان ہیں۔ ان کی دو حالتیں ہوتی ہیں:

- ۱۔ وہ ایسے شرک و کفر میں ملوث کافر کو جہالت کا عذر دیں جس عمل کا شرک و کفر ہونا عام و خاص کو معلوم ہو سکتا ہو جیسے غیر اللہ کی پکار اور نذر و نیاز کا شرک۔ اس قسم کے کفر میں ملوث لوگوں کو جہالت کا عذر دے کر مسلمان قرار دینے والا شخص اگرچہ مسلم ہے مگر وہ سخت غلطی پر ہے، اس کی غلطی کا شدت سے رد کرنا ضروری ہے، کیونکہ جہالت کا عذر ان باتوں میں ہوتا ہے جن میں حق بات کا جاننا مشکل ہو، مسئلہ میں شبہات پائے جاتے ہوں یا انسان کے لیے علم حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ جبکہ ان امور کا کفر و شرک ہونا ہر عام و خاص معلوم کر سکتا ہے، داعیان توحید اللہ کے فضل سے ہر جگہ پائے جاتے ہیں

جو لوگوں پر اللہ کی حجت قائم کر رہے ہیں، اسی طرح قرآن مجید اور کتب حدیث ترجمہ کے ساتھ بازاروں میں موجود ہے جنہیں پڑھ کر ہر شخص توحید و شرک کے فرق کو جان سکتا ہے۔ اس لیے ان بنیادی امور میں گمراہ ہونے والوں کو جہالت کا عذر دینا بہت بڑی غلطی ہے۔

۲۔ وہ ایسے شرک و کفر میں ملوث کافر کو جہالت کا عذر دیں کہ جس کا کفر و شرک ہونا کتاب و سنت کے قطعی دلائل سے واضح طور پر ثابت ہے مگر لوگوں کو اس کا تعارف نہیں، اور ان مسائل میں علم کم پایا جاتا ہے، شبہات کی کثرت ہے جیسے حاکمیت کا مسئلہ بذات خود تو نہایت واضح ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو قانون سازی کا اختیار دینا اُسے خدائی کے مقام پر فائز کرنا ہے جو اللہ کے ساتھ صریح کفر ہے اور ایسے طواغیت جو لوگوں پر غیر اللہ کے قوانین کو جبراً نافذ کیے ہوئے ہیں یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مگر چونکہ اس مسئلہ سے متعلق بعض امور کے بارے میں بہت سے شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اس لیے اگر کوئی اس شرک میں واقع ہونے والوں کو جہالت کا عذر دیتا ہے تو اُسے کافر کہنا غلط ہے جو غلو کرنے والوں کی روش ہے۔ کیونکہ جب شبہات کی وجہ سے حدود کا نفاذ کالعدم ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ((ادروا الحدود بالشبہات)) (ابن عبدیحو الہمنہاج المسلم) تو پھر کفر کا فتویٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اُسے شبہات کے پائے جانے کے سبب جاری نہ کیا جائے۔

طواغیت کو شبہات، کم علمی یا کسی بدعتی نظریہ کی وجہ سے کافر نہ کہنے والوں

کی اقسام

۱۔ بدعت کا شکار:

جیسے ارجاء کی بدعت، جس میں واقع ہونے والا چونکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کفر صرف عقیدہ سے ہی ہوتا ہے، کفریہ عمل کرنے والا کافر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اُس کا عقیدہ نہ رکھے۔ جیسے بعض مرجعہ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی قرآن کریم کو گندگی میں پھیلتا ہے تو اُس سے اس

کا عقیدہ پوچھا جائے گا کیا وہ دل سے قرآن کریم سے نفرت کرتا ہے، اور اس کی اہانت کرنا چاہتا ہے یا اُس کا کوئی اور مقصد ہے، اگر وہ دل سے قرآن کریم کی تعظیم کرنے والا ہے تو اُسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح مسلمانوں کے مقابلے پر کفار کا ساتھ دینا اہل سنت کے ہاں صریح کفریہ عمل ہے مگر مرجع یہاں بھی دل کے ارادہ کی شرط لگاتے ہیں کہ اگر ایسا شخص دل سے کفار سے بغض رکھتا ہے مگر دنیاوی مفاد کی خاطر وہ مسلمانوں پر غالب آنے میں کفار کی مدد کرتا ہے، تو حید پر شرک کو غالب کرتا ہے تو وہ مسلمان ہے، جبکہ اہل سنت کے ہاں صریح کفریہ عمل کا مرتکب کافر ہوتا ہے چاہے وہ دل میں کچھ بھی عقیدہ رکھے، کیونکہ ہمیں ظاہر کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے الا یہ کہ کوئی مکرہ ہو۔

اہل سنت صریح کفریہ اعمال و اقوال یا وہ اعمال جو ناقض اسلام کی ذیل میں آتے ہیں، اُن میں استحلال و اعتقاد کی شرط نہیں لگاتے، کیونکہ استحلال فی نفسہ کفر ہے۔ البتہ کفر سے کم ترکیبہ گناہ مثلاً زنا، چوری، شراب وغیرہ کا مرتکب اسی وقت کافر ہوگا جب وہ ان کو حلال سمجھے! لیکن اگر استحلال کے ساتھ کفر بھی مل جائے تو یہ علیحدہ سے اضافی کفر ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أن اعتقاد حل السب كفر، سواء اقترن به وجود السب أو لم يقتن، رسول الله ﷺ کو خالی گالی دینے کا عقیدہ رکھنا ہی کفر ہے، چاہے اس عقیدے کے ساتھ کوئی گالی دے یا نہ دے۔“ اس سے چند سطور قبل آپ نے صراحتاً لکھا ہے کہ ”ويجب أن يعلم أن القول بأن كفر الساب في نفس الأمر إنما هو لا استحلاله السب زلة منكروة وهفوة عظيمة، یہاں پر یہ جان لینا واجب ہے کہ یہ کہنا کہ (رسول اللہ ﷺ کو) گالی دینے والے کا کفر حقیقت میں اُس کے گالی کو حلال سمجھنے کی بنا پر ہے، ایک بدترین ٹھوکرا اور بہت بڑی غلطی ہے۔“ ❶

الغرض ارجاء کا عقیدہ ایک باطل نظریہ ہے، اب اگر کوئی اس کا شکار ہونے کی وجہ سے

کسی طاغوت یا کافر کی تکفیر نہیں کرتا تو اسے کافر کہنا درست نہیں بلکہ ایسا شخص بدعت کا مرتکب ہے۔
۲۔ خواہش کا پیر و کار مقلد:

دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو اس مسئلہ میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے کسی عالم کے فتویٰ سے چٹ جاتے ہیں، ایسے مقلد لوگ اکثر اپنے شیخ، عالم کے بارے میں سخت تعصب کا شکار ہوتے ہیں اور حق کو فلاں اور فلاں کے قول میں محصور کرتے ہوئے ان کی تقلید کا پٹا اپنے گلے ڈال لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھی اس بنیاد پر کافر کہنا درست نہیں کہ وہ کافر کی تکفیر نہیں کر رہے، بلکہ یہ جاہل مقلد ہیں۔

۳۔ مجتہد خطی

تیسری قسم میں وہ اہل علم آتے ہیں جو عقیدہ کے اعتبار سے اہل سنت کے موقف پر قائم ہوتے ہیں، اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ مگر وہ کسی طاغوت کو جہالت کا عذر دینے کے سبب یا کسی اور وجہ سے کافر قرار نہیں دیتے۔ ایسے اہل علم مجتہد خطی ہیں، ان کے بارے میں زبان سنبھال کر بات کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ سنت کی نصرت کرنے والے اور کفر و بدعت سے جنگ کرنے والے ہیں۔ البتہ ان کی خطا کو خطا کہنا ہم پر واجب ہے۔

اللجنة كبار علماء کے فتویٰ کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں رہنے والے اُن لوگوں کو قبر پرستی جیسے شرک اکبر کے ارتکاب پر عذر نہیں دیا جائے گا جو اپنی جہالت دور کرنے پر قادر ہیں، یا جن کے شبہات کا اہل علم ازالہ کر چکے ہیں اور وہ پھر بھی اپنے شرک پر مصر ہیں، اس لحاظ سے ایسے لوگ ان اہل علم کے ہاں کافر و مرتد ہیں۔ مگر جو لوگ انہیں جہالت کا عذر دیتے ہیں وہ ان کی غلطی اجتہادی نوعیت کی قرار دیتے ہوئے انہیں اس اصول (جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے) کی بنیاد پر کافر کہنا حرام قرار دیتے ہیں۔

اللجنة الدائمة سعودی عرب قبر پرستوں کو ان کی جہالت کی وجہ سے مسلمان سمجھنے

والے موحدین کو کافر کہنے والوں کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على رسول الله وآله وصحبه

و بعد:

کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ دینی مسائل میں اسے لاعلمی کی بنیاد پر معذور قرار دیا جائے یا نہیں اس کا دار و مدار اس بات پر بھی ہے کہ اسے یہ مسئلہ کما حقہ پہنچا بھی ہے کہ نہیں اور اس بات پر بھی کہ یہ مسئلہ کس حد تک واضح ہے اور کس حد تک اس میں غموض اور خفاء پایا جاتا ہے اور اس بات پر بھی کہ کسی شخص میں اس بات کو سمجھنے کی استعداد کس حد تک ہے۔ اس لیے جو شخص کسی تکلیف یا مصیبت کو دور کرنے کے لیے قبروں میں مدفون افراد سے فریاد کرتا ہے اسے وضاحت سے بتانا چاہئے کہ یہ شرک ہے اور اس پر اس حد تک اتمام حجت ہونا چاہئے کہ تبلیغ کا فرض ادا ہو جائے اس کے بعد بھی اگر وہ شخص قبر پرستی پر اصرار کرے تو وہ مشرک ہے اس سے دنیا میں غیر مسلموں والا سلوک کیا جائے اور اگر اسی عقیدہ پر مر جائے تو آخرت میں سخت عذاب کا مستحق ہوگا..... باقی رہے وہ شرعی احکام جو عام لوگوں کے لیے واضح نہیں ہوتے۔ مثلاً ان میں وجہ دلالت بہت خفی ہے یا دلائل باہم متعارض ہیں اور ترجیح میں علماء مختلف آراء رکھتے ہیں۔ تو اس قسم کے مسائل میں اختلاف کرنے والے پر ایمان یا کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے صحیح کہا اور اس سے غلطی ہوئی وہ عند اللہ معذور ہے اور اسے اجتہاد کا ثواب بہر حال ملے گا اور جس کا اجتہاد صحیح ہوا اسے دگنا ثواب ملے گا۔ اس قسم کے مسائل سمجھنے کی صلاحیت میں تفاوت پایا جاتا ہے، قرآن و حدیث کی نصوص سے واقف ہونے، صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز اور ناسخ و منسوخ کی پہچان وغیرہ میں بھی سب علماء برابر نہیں ہوتے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو اہل توحید قبر پرستوں کو کافر سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ درست نہیں کہ اپنے ان اہل توحید بھائیوں کو کافر کہیں جو قبر پرستوں کو کافر قرار دینے میں تامل کا شکار ہیں۔ اصل میں ان کے سامنے فتویٰ لگانے میں یہ شبہ ہے کہ وہ ان قبر پرستوں کو کافر قرار دینے سے پہلے ان پر اتمام حجت کرنا ضروری ہے، بخلاف غیر مسلموں کے مثلاً یہودی، عیسائی یا کمیونسٹ کہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں اور جو انہیں کافر نہیں سمجھتا اس کا کفر واضح

ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات درست فرمائے اور دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ ہمیں اور انہیں نفس کے شر اور گناہوں کی شامت سے محفوظ رکھے اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم بغیر علم کے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ نہ کہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی قادر ہے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ ❶

تیسری صورت..... ان لوگوں کی ہے جو نہ خود کسی کفر میں ملوث ہیں اور نہ طاغوت کے بارے میں اللہ کے حکم سے بے خبر ہیں، مگر وہ ان طواغیت کے حالات سے بے خبر ہیں، اس لیے وہ ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ مثلاً ان کا اعتقاد ہے کہ غیب کا ہر دعویدار کافر ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ فلاں فلاں شخص بھی غیب کا دعویدار ہے تو اس حقیقت سے بے خبری کے باعث ان کے اسلام میں کوئی نقص واقع نہیں ہوگا، ایسے لوگ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔

۴۔ کافر سمجھنا اور کافر ہونے کا اظہار کرنا

اسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ طاغوت کو کافر سمجھنا اور اس کی تکفیر کا اعلان کرنا دو الگ الگ امور ہیں انہیں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ الولاء والبراء کا یہی تقاضا ہے کہ طاغوت کے کافر ہونے کا اظہار کیا جائے، تب ہی لوگ مسلم حاکم کو غالب کرنے اور کافرانہ نظاموں سے جان چھڑانے کے لیے تیار ہوں گے، مگر اسے کافر سمجھنا اور اس کی تکفیر کا اعلان کرنا ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ایک شخص طواغیت کو کافر سمجھتا ہو مگر خوف یا کسی اور مصلحت کی بنا پر اس کی تکفیر کا اعلان نہ کرتا ہو۔

۵۔ عداوت اور بغض رکھنا:

کفر بالطاغوت اس طریقے سے بھی ہوگا کہ ان سے اور ان کے معبودوں سے اپنی استطاعت کے مطابق عداوت، بغض، براءت اور دشمنی کا اظہار کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَهُ﴾ (الممتحنة: ۴)

”تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھوں میں اچھا نمونہ ہے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے (دشمنی) اور بیر پیدا ہو چکا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔“

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت (مگر) آپس میں رحمدل ہیں۔“

﴿وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ (التوبہ ۱۲۳)

”اور چاہیے کہ وہ (کفار) تم میں سختی پائیں۔“

مرتدین کے مقابلے میں جن مومنین کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی یہ صفت بیان کی جا رہی ہے کہ:

﴿أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (المائدہ: ۵۴)

”وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے۔“

۶۔ علیحدگی اختیار کرنا:

کفر بالطاغوت ان سے علیحدگی کرنے اور میل جول نہ رکھنے کی صورت میں بھی ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا:

﴿وَأَعْتَزَلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (مریم: ۴۸)
 ”میں آپ کو چھوڑتا ہوں اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ (مریم: ۴۹)

”پھر جب ابراہیم نے انہیں چھوڑ دیا اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے، اور ان سب کو ہم نے نبی بنایا۔“

۷۔ قتال کرنا:

کفر بالطاغوت استطاعت ہونے کی صورت میں ان کے خلاف جہاد کرنے سے بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ (النساء: ۷۶)

”جو لوگ ایمان لائے وہ تو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سوان شیطان کے دوستوں سے خوب جنگ کرو یقیناً شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے۔“

﴿فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا آيَمَانَ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ۱۲)
 ”تم کفر کے ان علمبرداروں سے جنگ کرو۔ ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔“

۸۔ محبت اور دوستی نہ رکھنا:

کفر بالطاغوت کا لازمی خاصہ یہ بھی ہے کہ ان سے دوستی اور محبت نہ رکھی جائے، ان کی طرف میلان نہ رکھا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ﴾ (النساء: ۱۴۴)
 ”اے ایمان والو! کافروں کو دوست نہ بناؤ۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدہ: ۵۱)

”جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔“

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ (المجادلہ: ۲۲)

”اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔“

﴿وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (ہود: ۱۱۳)

”نہ ہی ان لوگوں کی طرف جھکنا جنہوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں بھی آگ آ لے گی پھر تمہیں کوئی سرپرست نہ ملے گا جو تمہیں اللہ سے بچا سکے نہ ہی تمہاری مدد کی جائے گی۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما، ﴿تَرْكَبُوا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اس کا مطلب ہے ﴿وَلَا تَوَلَّوْا﴾ یعنی تم ان کی طرف مائل نہ ہونا۔“ (تفسیر ابن کثیر)

کفر بالطاغوت کے یہ طریقے ضرور اختیار کیے جانے چاہئیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی طواغیت کے لیے اپنی دوستی اور محبت کو فراخ کر دے، ان کی طرف مائل ہو جائے، ان کا دفاع کرے، ان کے لیے قرآن و حدیث کے احکام میں تاویل کرے، ان سے دشمنی رکھنے والے اہل توحید کے مقابلے میں طواغیت کی مدد کرے، اس کے باوجود بھی وہ شخص یہ خیال کرے کہ وہ کفر بالطاغوت کر رہا ہے؟ ایسا شخص کبھی بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا اور طاغوت سے کفر کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہے جس پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے کہ کوئی طاغوت کا حمایتی بھی ہو اور اس

سے کفر کرنے کا دعویدار بھی ہو۔ کیونکہ دل سے جہاد کرنا ایمان کا آخری درجہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجے۔ اس کے حواری اور ساتھی ہوتے تھے جو اس کے حکم کی پیروی اور اس کی سنت پر عمل کرتے پھر ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو ایسی بات کہتے جو وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جو شخص ان سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ جو شخص ان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ جو شخص ان سے دل سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔“^۱

سوال: محترم شیخ ابوبصیر! طاغوت کے ساتھ زبان سے کفر کرنے کے حوالے سے سوال ہے کہ کیا طاغوت کو اس کے روبرو کافر کہنا ضروری ہے۔ یا ہم پر کسی بھی طریقے کو استعمال کرتے ہوئے اس تک یا اس کے یار و مددگار تک بات کا پہنچانا فرض ہے یا یہ کہ اپنے بعض مسلمانوں میں بیٹھ کر اسے کافر کہہ دینا ہمیں کفایت کر جائے گا۔ یا کہ ہمارا اس بات کا لوگوں کے سامنے اعلان کرنا ضروری ہے۔ (یہ تو طاغوت کے ساتھ زبان سے کفر کی بات تھی) اب یہ بتائیں کہ عملاً کس طرح طاغوت کے ساتھ کفر کیا جاسکتا ہے۔ کیا ایسا اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کی کوشش کے ذریعے ہو سکتا ہے؟ یا یہ کہ یہ موضوع سیاست شرعیہ سے متعلق ہے۔ ہم آپ سے وضاحت کی امید کرتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کے بارے میں بھی بتلایئے گا جو یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ اپنی زبانوں سے طاغوت کا کفر کرنے والے ہیں اور ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ طواغیت سے دوستیاں کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں جھگڑا کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اپنے اس عمل کے سبب کافر ہو چکے ہیں؟

جواب: اس بات کو جان لو کہ طاغوت اس کے لشکروں، مددگاروں اور پجاریوں

کے ساتھ عداوت و بغض کا اظہار کرنا اس دین کے سب سے اہم واجبات میں سے ہے۔ جس کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَّءُ أَوْ أَمِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّكَ﴾ (الممتحنة : ۴)

”تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ: ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے (دشمنی) اور بیر پیدا ہو چکا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔“

لیکن یہ واجب بھی دیگر شرعی واجبات کی طرح ہے۔ جس کو ادا کرنے کے لیے شریعت نے قدرت اور استطاعت کی شرط عائد کی ہے۔ انسان کو اپنی طاقت کے بقدر اپنے قول و عمل سے ان طواغیت سے عداوت و بغض کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی اسے اپنے آپ کو ایسی بات کا مکلف نہیں ٹھہرانا چاہیے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایسا کام کرتے ہوئے جس کی وہ قوت نہیں رکھتا اپنے آپ کو ذلیل کر بیٹھے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

((ليس بمؤمن من اذل نفسه..... يعرض نفسه للبلاء ليس له

بہ طاقت)) ❶

”مومن وہ نہیں ہوتا جو اپنے آپ کو ذلیل کر لے ایسی آزمائش پر اپنے آپ کو پیش کرے کہ جس پر پورا اترنے کی طاقت نہیں رکھتا۔“

پس ہر آدمی دوسروں سے زیادہ اپنی طاقت و قوت کے بارے میں جانتا ہے..... اور پھر کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی قوت اور کمزوری کو پیمانہ بنا کر دوسروں پر ان بغاوتوں کو

لازم قرار دے جن بغاوتوں کو وہ اپنے اوپر اقدام اور حجم کے اعتبار سے لازم کیے ہوئے ہے۔ رہا طاغوت کے ساتھ عملی طور پر کفر کرنا تو وہ اس کے ساتھ قتل و قتال تک محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ سوال کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ اس کے ساتھ برأت کرنے اور اس سے فاصلہ رکھنے، اس کی صحبت اختیار نہ کرنے اور اسی طرح اس کے ساتھ موالات اور نصرت نہ کرنے اور اس کی قوت و طاقت میں اضافہ کا سبب نہ بننے اور اس جیسے دیگر اعمال پر مبنی ہے۔

رہے وہ لوگ کہ جو اپنی زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ طواغیت کا کفر کرنے والے ہیں۔ اور عملاً ان کا حال یہ ہے کہ وہ ان سے دوستیاں لگاتے ہیں اور ان کی حمایت میں جھگڑے کرتے ہیں ان لوگوں کا عمل ان کے دعوؤں کے الٹ ہے اور ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو ایک بات کہتا اور پھر اسی آن اس کے الٹ عمل کرتا ہے۔ ان پر اور ان جیسوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝﴾ (الصف: ۳-۲)

”اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ کے ہاں یہ سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں۔“

رہی یہ بات کہ کیا وہ ان طواغیت کی حمایت میں جھگڑا کرنے کی وجہ سے کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو چکے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں اس جھگڑے کی نوعیت اور اس کے اسباب پر غور کرنا ضروری ہے کیونکہ ہر جھگڑے سے ایک مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل اسید بن خضیر رضی اللہ عنہ کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن ابی کے بارے میں اس کی حمایت کی وجہ سے یہ کہنا ہے ”اللہ کی قسم تو نے جھوٹ بولا ہے ہم اسے ضرور قتل کریں گے اور بے شک تو منافق ہے۔ اس لئے منافقین کی حمایت میں جھگڑا کرتا ہے۔“ اسید رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی علیہ السلام کی موجودگی میں کہی (بخاری: ۴۷۵۰) اس واقعہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ منافقین کی

حمایت میں جھگڑا کرنے کے باوجود کافر نہ ہوئے۔ غور فرمائیے: نبی ﷺ نے اسید بن خضیر کو یہ نہیں کہا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی کی حمایت میں جھگڑا نہیں کر رہا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جھگڑا موالات کی مانند ہے جس میں کافر کر دینے والا جھگڑا بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ بھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان طواغیت کی حمایت میں جھگڑنے والے شخص پر حکم لگانے سے پہلے اس کے جھگڑنے کی نوعیت اس کے حجم اور اس کے اسباب پر غور کیا جائے۔ اسی طرح اس کے شبہات کے درجہ کو بھی پرکھا جائے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ جس طاغوت کی حمایت میں وہ جھگڑا کر رہا ہے اس طاغوت کے کفر و طغیان کے درجہ کو بھی دیکھا جائے۔



مروجہ غیر اسلامی عدالتوں سے فیصلہ کروانے کی شرعی حیثیت ☆

طاغوت سے فیصلہ کروانا عقیدہ کا اہم مسئلہ ہے جس کی تفصیلات جاننے میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ لوگ اس مسئلہ میں افراط و تفریط کا شکار ہے کچھ غلو کرتے ہوئے خارجیت کی راہ پر گامزن ہیں تو دوسرے ار جء کی بدعت کا شکار ہیں۔ تحاکم الی الطاغوت کی اُس صورت کو جاننا ضروری ہے جو کفر اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی صورت کو بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَمَا أَتَىٰ مِنْ قِبَلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ ☆ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ (النساء : ۶۰، ۶۱)

”کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہیکہ اُن کا اُس پر ایمان ہے جو آپ پر اور آپ سے پہلے نازل کیا گیا لیکن وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اُس کا انکار کریں۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور کی گمراہی میں ڈال دے، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (قرآن) اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق آپ کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں۔“

امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

☆ مضمون مسالۃ التحاکم الی الطاغوت لشیخ ابوبصیر طرطوسی حفظہ اللہ، ان کی ویب سائٹ سے لیا گیا ہے۔

”یہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ طاغوت سے کروانا چاہتے ہیں، طاغوت وہ ہے جس کی یہ تعظیم کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر جس کے فیصلوں پر راضی ہوتے ہیں جبکہ ﴿وَقَدْ أُصِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ﴾ انہیں اللہ نے حکم دیا تھا کہ طاغوت کے فیصلوں کو جھٹلائیں، لیکن انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر طاغوت سے اپنے فیصلے کروائے اور شیطان کے حکم کی پیروی کی۔ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ﴾ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے اُن احکام کی طرف پلٹو جو اُس نے اپنی کتاب میں نازل کیے اور جو رسول لے کر آئے تاکہ وہ ان سے ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔ ﴿رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ یہ منافق آپ کی طرف فیصلہ کروانے کے لیے آنے سے خود بھی رکے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے ایمان کو جھٹلایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر جو اُس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف ساتھ ہی اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کروانے کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف جاتے ہیں۔ اس آیت کے سبب نزول میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک یہودی اور انصاری کے تنازع پر نازل ہوئی، یہودی کہتا تھا چل محمد ﷺ سے فیصلہ کروائیں جبکہ انصاری کعب بن اشرف کے پاس جانے کو کہتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اُن منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے لیکن در پردہ جاہلیت کے سرداروں سے فیصلہ کروانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ یہ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے لحاظ سے عام ہے اور اُن تمام واقعات کو شامل ہے اس میں ہر اس شخص کی مذمت کی گئی ہے جو کتاب و سنت سے ہٹ کر کسی بھی

باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جاتا ہے یہاں طاغوت سے یہی باطل مراد ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر)

علامہ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو کوئی مومن ہونے کا دعویٰ دار ہو اور پھر اللہ کے حکم پر طاغوت کے حکم کو ترجیح دیتا ہو وہ ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے۔“ (تفسیر سعدی)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ تحاکم الی الطاغوت (جو کفر اکبر ہے) کی درج ذیل صفات ہیں:

۱۔ اسلامی حکومت یا ایسا مسلم سلطان موجود ہو جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے پر قادر ہو اور فریقین سے یہ فیصلہ منوانے کی طاقت رکھتا ہو۔

۲۔ ایسے مسلم سلطان کے ہوتے ہوئے اللہ کے حکم سے اعراض کرنا اور طاغوت سے شریعت الہی کے مخالف فیصلہ کروانا۔ یعنی آزادی، اختیار اور رضامندی سے طاغوت سے فیصلہ کروانا اور اُسے حکم باری تعالیٰ پر مقدم کرنا جبکہ وحی الہی کے مطابق فیصلہ کروانا باسانی ممکن اور میسر تھا۔

۳۔ اللہ کی شریعت سے فیصلہ کروانے سے رکنا جب کبھی اسے اللہ کی شریعت کی طرف لے جایا جائے تو اہل نفاق اس سے خود بھی رکتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ وہ صرف طاغوت سے فیصلہ چاہتے ہیں۔

جس کسی میں یہ صفات پائی جائیں جس پر یہ آیت اور مفسرین کے اقوال دلالت کرتے ہیں وہ ملت اسلام سے خارج اور کفر اکبر کا مرتکب ہے۔

رہے وہ حالات جن میں شرعی عدالتیں نہ پائی جاتیں ہوں اور مسلم سلطان بھی موجود نہ ہو جو اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا اور جھگڑا کرنے والوں پر اللہ کے حکم کے نفاذ کی طاقت و قدرت رکھتا ہو گویا ان حالات میں طاغوتی قوانین سے فیصلہ کروانے والے مجبور ہوں۔ وہ دل میں اس سے بغض و کراہت رکھنے اور اللہ کی شریعت سے محبت کرنے کے باوجود ان حالات میں اپنے حقوق حاصل کرنے یا اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے ان

طاغوت کی عدالتوں سے فیصلے کروانے جاتے ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ جو شخص مجبور کر دیا جائے تو شرعاً اور عقلاً اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تحاکم الی الطاغوت کرنے والے اور اللہ کی شریعت سے اعراض کرنے والے ہیں۔ اس سے بہت سے ان مسلمانوں کی تکفیر لازم آتی ہے جو ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں طاقت رکھنے والی شرعی عدالتیں موجود نہیں ایسے لوگوں کی تکفیر کرنا خوارج کا طریقہ ہے۔ شریعت اسلام کے مقاصد میں ایک مقصد ظلم کو دفع کرنا، مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا ہے۔ ایسا کرنا اگر کسی مسلمان کے ہاتھوں ممکن نہ ہو اور صرف کافر کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کافر عدل و انصاف سے کام لے اور مظلوم کی امداد کرے تو اسلام اس کی تعریف کرتا ہے اور ظلم کوئی مسلمان بھی کیوں نہ کرتا ہو اس کی مذمت کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”احسان کرنے والے کی گواہی دو کہ وہ محسن ہے چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ اور زیادتی کرنے والے پر بھی گواہی دو کہ وہ مفسد ہے چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔“ ①

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف المطمین میں موجود تھا۔ میں اس حلف کو توڑنا پسند نہیں کرتا اگرچہ اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ ملے۔“ ②

امام ابن الاثیر فرماتے ہیں:

”جاہلیت کے زمانے میں بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تمیم ابن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے انہوں نے ایک بڑے پیالے میں خوشبو ڈالی اور پھر اپنے ہاتھ ڈبوئے اور ظالم سے مظلوم کا حق لینے اور اس کی مدد کرنے پر حلف اٹھایا اس حلف کا نام حلف المطمین ہو گیا۔“ (انھامیہ)

① السلسلہ الصحیحہ للابانی، ج: ۴۵۷۔ ② صحیح ادب المفرد: ۴۴۰۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نجاشی کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ وہ ایسا بادشاہ ہے جس کے پاس ظلم نہیں ہوتا۔ اور جب مشرکین مکہ نجاشی کے پاس پہنچے تو صحابہ کرام نے نجاشی کے سامنے اپنی دعوت اور دلائل پیش کرتے ہوئے اپنا دفاع کیا تاکہ وہ انہیں مشرکین مکہ کے حوالے نہ کرے۔ نجاشی کے سامنے یہ معاملہ ایک عدالت ہی کی طرح تھا کیونکہ نجاشی کافر حاکم تھا جس کے سامنے عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ مشرکین مکہ کے ترجمان کے طور پر پیش ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نے مسلمانوں کا موقف پیش کیا اور آخر میں مجلس کے اختتام پر حاکم نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ وہ مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے حوالے نہیں کرے گا۔

اس واقعہ پر کسی نے نہیں کہا کہ صحابہ کرام نے طاغوت سے فیصلہ کروایا۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی مرضی و اختیار سے تاتاریوں کے بادشاہ قازان اور اس کے لشکر کے سرداروں قطوشاہ اور لولائی کے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ نے ان سے دلائل کے ساتھ مباحثہ کیا اور ان سے مطالبہ کیا مسلمان اور ذمی قیدیوں کو آزاد کر دیں۔ آپ کے اس عمل کو اس دور کے تمام علمائے کرام نے پسند کیا اور کسی نے نہیں کہا کہ آپ نے تحاکم الی الطاغوت کیا۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبرص کے عیسائی بادشاہ سرجواس کو خط لکھا اور نرمی سے گفتگو کرتے ہوئے اسے ترغیب دی کہ مسلمان قیدیوں کے ساتھ احسان کرے آپ کے اس عمل کو کسی نے تحاکم الی الطاغوت نہیں کہا۔

طاغوتی عدالتوں میں جانے والا ہر شخص تحاکم الی الطاغوت کا مرتکب نہیں ہوتا ان عدالتوں میں جانے والے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا حق لینے کے لیے اور کچھ ظالم کا ہاتھ روکنے اور بعض مظلوم کی مدد کرنے کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کو متحاکم الی الطاغوت کہنا درست نہیں بلکہ ان عدالتوں میں جا کر کوئی حق کی گواہی دیتا ہو قتل کر دیا گیا ہو تو وہ شہیدوں کا سردار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”سید شہداء حمزہ بن عبدالمطلب اور وہ شخص ہے جو ظالم سلطان کے سامنے کھڑا ہو کر اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا

ہے اور نتیجتاً قتل کر دیا جاتا ہے۔^①

آپ ﷺ نے فرمایا: ”افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔“^②
بعض اوقات کسی حق کو حاصل کرنا اور ظلم کو دور کرنا بھی کلمہ حق ہو سکتا ہے اس لیے ظالم
حاکم کے سامنے ہر کھڑا ہونے والا اس کے کفر پر راضی نہیں ہوا کرتا۔ معاشرے میں ظلم اور
ذلت و رسوائی پر راضی رہنا یا ستم ڈھانے والوں کو دیکھ کر خاموش رہنا اور ان سے اس حجت
کے ساتھ آنکھیں بند کر لینا کہ آج کوئی مسلمان حکمران موجود نہیں جو ان مظلوموں کو انصاف
دلانے پر قادر ہو اور یہ نتیجہ نکالنا کہ مظلوموں کو ان کا حق دلوانے کے لیے کسی غیر مسلم سے
مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے اربوں کھربوں مسلمان اس وقت تک انتظار کریں یہاں تک
کہ کوئی مسلمان حاکم حکومت میں آئے جو اسلام نافذ کرنے کی طاقت رکھتا ہو پھر ان کے
حقوق ملیں گے اور ظلم ختم ہوگا، اس وقت تک اس امت کو ظلم و ستم پر خاموشی ہی سے کام لینا ہوگا
اگر انہوں نے ان مروجہ عدالتوں کی طرف رجوع کیا تو وہ تحاکم الی الطاغوت کرنے
والے ہوں گے۔ اس نظریہ کی اللہ کی شریعت میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ نہ اللہ نے اپنے
بندوں کے لیے اس بات کو پسند کیا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ﴾ (الشوری: ۳۹)
”جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو بدلہ لیتے ہیں۔“

یعنی وہ اپنی استطاعت کے بقدر اپنے اوپر یا دوسروں پر ہونے والی زیادتی کے ازالہ کی
کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کو منع نہ کریں تو قریب ہے
کہ اللہ ان سب کو اپنے عذاب میں گھیر لے۔“^③

① السلسلہ الصحیحہ للابیانی، ج: ۴۹۱۔

② ابوداؤد: ۴۳۴۴۔ ترمذی۔

③ ابوداؤد: ۴۳۳۸۔ ترمذی۔

رسول اللہ ﷺ کا اِنَّ النَّاسَ کہنے میں تمام لوگ شامل ہیں چاہے کافر ہوں یا مومن یہ اللہ کی سنت ہے جب اس کے بندے ظالم کا ہاتھ نہیں پکڑتے اور مظلوم کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں پکڑ لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ظلم سے بچو جتنی تمہاری استطاعت ہو۔“^①

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو اپنے مال کو بچاتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے جو اپنا دین بچاتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے جو اپنی جان بچاتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے جو اپنے اہل کو بچاتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔“^②

اور جو اپنے آپ کو ظلم سے بچاتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے۔^③

جو اپنا مال، اپنا دین اور اپنے اوپر ظلم سے بچاتے ہوئے قتل ہوا۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس نے قتال بھی کیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے قتال کیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ حالات قتال کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ اس صورت میں وہ ظالم کے سامنے دلائل سے بحث کرتے ہوئے اپنا حق لینے کی کوشش کر رہا ہو اور وہ ظالم اسے قتل کر دے، ایسا شخص شہید ہے چہ جائیکہ ہم اسے تحاکم الی الطاغوت کا مجرم قرار دیں۔

یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کے نمائندے کو کہا:

﴿قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾

اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿ (یوسف: ۵۰)

”اپنے بادشاہ کی طرف لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کی کیا حقیقت

ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے میرا رب ان کا فریب خوب جانتا ہے۔“

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ وقت کو یہ کہا کہ وہ اس تہمت کا پہلے فیصلہ کریں جس کی بنا

① صحیح الترغیب والترہیب: ۲۲۲۱۔ ② ترمذی: ۱۴۲۱۔

③ صحیح الترغیب والترہیب۔

پر یوسف علیہ السلام کو اتنے عرصے کے لیے جیل رہنا پڑا، تاکہ انہیں پتا چلے کہ آپ مظلوم تھے اور آپ کا کوئی جرم نہ تھا۔ ثابت ہوا کہ تہمت دور کرنے کے لیے کسی طاغوتی محکمے کی طرف جانا جائز ہے اور یہ تحاکم میں داخل نہیں.....

اسی طرح شریعت اسلامیہ کا ایک مقصد نقصان کا ازالہ کرنا اور تکلیف کو دور کرنا ہے۔ اگر کسی مسلمان کے ذریعے یہ ازالہ کرنا مشکل ہو جائے اور کافر کے ذریعے ہی تکلیفیں دور ہوتی ہوں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم کافر سے اس تکلیف کو دور نہیں کر سکتے۔ جس طرح مسلمان ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں کافر ڈاکٹر کے ہاتھوں مسلمان عورت مریضہ کا علاج کروانا جائز ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ ہم تیرے مرض کا ازالہ نہیں کریں گے کیونکہ ازالہ کرنے والا کافر ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاشرے میں بیماریاں بڑھتی چلی جائیں گے۔ اسی طرح دیگر تکالیف اور نقصان دہ چیزیں بھی بڑھتی چلی جائیں گے یہ بات مسلمان تو دور کوئی عقلمند انسان بھی نہیں کہتا.....

اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ نشہ کا کاروبار کرنے والا تاجر جوامت کے نوجوانوں کا دین و دنیا برباد کرنے پر تلا ہو، مسلمان اسے نہ روک سکتے ہوں اور وہ نصیحت بھی قبول نہ کرتا ہو۔ اسے روکنے کے ہر کوشش ناکام ہو جائے اور ایک ہی راستہ موجود ہو کہ طاغوت کی پولیس سے اس مجرم تاجر کی شکایت کی جائے ایسی صورت میں یقیناً طاغوتی اداروں کو اس کی شکایت کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدہ: ۲)

”اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔“

یہ تعاون صرف مسلمانوں کے درمیان نہیں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ تعاون نیکی، تقویٰ اور اصلاح پر ہو۔ ظلم اور فساد کے خلاف کفار سے تعاون کو تحاکم الی الطاغوت سمجھنا درست نہیں ہے۔

شبہ..... اس بحث سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کافر بھی عادل ہو سکتا ہے۔

ازالہ..... عدل کی کئی اقسام ہیں جس میں سب سے عظیم اور اعلیٰ قسم توحید پر ایمان لانا ہے جو کہ اہل ایمان کے ساتھ ہی خاص ہے جبکہ دوسری قسم انسان کا اپنے آپ سے یا کسی دوسرے شخص سے عدل سے کام لینا ہے یعنی اُس پر ظلم و زیادتی نہ کرنا ہے، عدل کی اس قسم میں کافر اور مومن دونوں شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ﴾ (التوبہ: ۷)

”اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول و قرار پر قائم رہو۔“

یہ آیت دلیل ہے کہ ایک کافر بھی اپنے معاہدے پر استقامت اختیار کر سکتا ہے اور

ایفائے عہد عدل میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کسی مومن کی نیکیوں کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ دنیا میں اسے بھلائی

دیتا ہے اور آخرت میں اس کی جزا دیتا ہے۔ رہا کافر تو دنیا میں اچھے اعمال کی بنا

پر اسے کھلایا جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت کی طرف رخت سفر باندھتا

ہے تو اس کی کوئی نیکی نہیں ہوتی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔“^①

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے بادشاہ کے بارے میں کہا کہ حبشہ کے علاقے میں

ایک بادشاہ ہے جس کے پاس ظلم نہیں کیا جاتا۔ تم اس کے ملک چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ

تعالیٰ اس تکلیف سے جس میں تم ہو کشادگی اور نکلنے کا راستہ پیدا کر دے۔“^②

آپ کا یہ فرمان نجاشی کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے۔ یہی بات جعفر بن ابی طالب

نے نجاشی کو مخاطب کرتے ہوئے کہی۔ ہم نے آپ کو دوسروں پر ترجیح دی کیونکہ ہمیں امید تھی

کہ آپ کے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہ واضح دلیل ہے کہ کافر حاکم بھی عدل کی صفت سے موصوف ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا

عدل شرک و کفر کی وجہ سے ناقص ہوتا ہے۔

اسی طرح طاغوت کی پناہ پکڑنا تحاکم الی الطاغوت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا اگر مطعم بن عدی آج زندہ ہوتا اور وہ ان بدبودار لوگوں کے بارے میں سوال کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں آزاد کر دیتا۔^①

مطعم بن عدی جو مشرک تھا اور شرک کی حالت میں فوت ہوا اس نے آپ ﷺ کو کفار مکہ کی اذیت سے بچایا اور آپ کو پناہ دی تھی۔ اس کے اس عمل کو آپ اس کے مرنے کے بعد بھی نہیں بھولے۔ اس لیے ظلم سے بچنے کے لیے کسی کافر کی امان یعنی پناہ حاصل کرنا تحاکم الی الطاغوت نہیں کہلاتا۔

نبی کریم ﷺ نے بعض کفار کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ مظلوم کی مدد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ”قیامت اُس وقت قائم ہوگی جب رومی تمام لوگوں سے زیادہ ہو جائیں گے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رومیوں میں چار خصلتیں ہیں: وہ آزمائش کے وقت لوگوں میں سب سے زیادہ بردبار ہوتے ہیں، مصیبت کے بعد لوگوں میں سب سے جلدی اُس کا ازالہ کرنے والے ہوتے ہیں، مسکین، یتیم اور کمزوروں کے لیے سب سے بہتر ہوتے ہیں اور ان میں عمدہ خصلت یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بادشاہوں کے ظلم سے روکنے والے ہوتے ہیں۔“^②

خلاصہ کلام

انسان طبعاً اجتماعیت میں رہنے والی مخلوق ہے جسے معاشرے کے ساتھ خرید و فروخت، شادی بیاہ اور دیگر تعلقات استوار کرنے ہوتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو ان معاشروں میں لوگوں کے ساتھ معاملات میں اپنے حقوق حاصل کرنے اور دوسروں کے ظلم و زیادتی سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی نظام کی ضرورت رہتی ہے، اسلامی نظام کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے انہیں عدل و انصاف کے حصول کے لیے مروجہ عدالتوں سے بالکل روکنا عقلاً و شرعاً اُن پر ظلم

ڈھانا ہے۔ مسلمان پسند کریں یا نہ کریں وہ بہر حال کفریہ نظاموں کے سائے تلے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جہاد، مجاہدین اور علمائے حق کا ساتھ نہیں دے رہے جو اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کرنے میں مخلص ہیں، حب الدنیا اور کراہیۃ الموت کی بیماری یہاں اکثریت کو لاحق ہے نتیجتاً وہ اسلامی خلافت قائم نہیں ہو رہی جو اللہ کے قانون کا پرچم لہراتی ہو۔

ان المناک حالات سے ایک مسلمان کو کیسا نمٹنا ہے اسے ہم نے پیچھے تفصیل سے واضح کیا ہے۔ آخر میں ہم پوری بحث کا خلاصہ درج ذیل نقاط میں بیان کرتے ہیں:

۱۔ مقتدر شرعی عدالتوں یا مسلم بادشاہ (جو اللہ کا قانون نافذ کرنے کی قوت رکھتا ہو) کے موجود ہوتے ہوئے جو شخص حکم ربانی سے اعراض کرتے ہوئے کسی اور قانون سے فیصلہ کرواتا ہے تو ایسا کرنا حاکم الی الطاغوت ہے جو کفر اکبر ہے۔

اس صورت میں کفریہ قوانین سے فیصلہ کرنے والی عدالتوں سے فیصلہ کروانا جائز نہیں چاہے اُن کا فیصلہ کسی معاملے میں شریعت سے مطابقت ہی کیوں نہ رکھتا ہو، کیونکہ ان عدالتوں کا یہ فیصلہ اللہ کی اطاعت و بندگی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے صادر نہیں ہوا بلکہ وہ اپنی خواہش اور عقل کے پیروکار ہیں جس کا فیصلہ بسا اوقات شرعی حکم کے موافق بھی ہو جاتا ہے۔ یہ فیصلہ چونکہ عقل کی بنیاد پر ہوتا ہے اسی لیے کل کو انکی عقل اس نتیجے پر پہنچے کہ اس فیصلہ کو تبدیل ہونا چاہیے تو وہ شریعت کی وجہ سے ایسا کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس لیے ایسا فیصلہ اللہ کا نازل کردہ فیصلہ نہیں کہلاتا بلکہ یہ طاغوت کا ہی حکم کہلائے گا چاہے شریعت سے موافقت ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ کوئی حکم بما انزل اللہ کی سند اُس وقت ہی پاسکتا ہے جب اُس میں یہ دو صفتیں پائی جاتی ہوں:

(۱) وہ اللہ کے نازل کردہ کے مطابق ہو۔

(۲) اللہ کی عبادت اور اُس کی اطاعت کرتے ہوئے صادر کیا گیا ہو۔

جس حکم میں ان میں سے کوئی ایک صفت بھی نہ پائی جائے وہ اللہ کا حکم کہلانے کا حق

نہیں رکھتا۔ عبادت کا ہر عمل اُسی وقت عبادت کہلاتا ہے جب وہ اللہ کی رضا مندی اور اُس کی اطاعت و فرمانبرداری میں کیا جائے۔

۲۔ جو کوئی طاغوتی قوانین و دساتیر میں پائے جانے والے اللہ کی شریعت کے منافی فیصلوں کو اچھا سمجھتے ہوئے اور اُن سے راضی ہوتے ہوئے قبول کرتا ہے، یا اللہ کے حکم کو ناپسندیدہ اور برا سمجھتے ہوئے اُس سے فیصلہ نہیں کروانا ایسا انسان تحاکم الی الطاغوت کرنے والا ہے۔

۳۔ جو کوئی عدل و انصاف اور اپنا جائز حق شرعی طریقے سے لینے پر قادر ہو، غیر اسلامی عدالتوں کی طرف رجوع کیے بغیر اُس کے لیے دوسروں کے ظلم و زیادتی سے بچنا ممکن اور میسر ہو اور پھر بھی وہ ان طاغوتی عدالتوں کی طرف رجوع کرے اور شریعت کے مخالف دستور سے فیصلہ کروائے تو ایسا کرنا یقیناً تحاکم الی الطاغوت ہے۔ عذر تو اُس کے لیے ہے جو مجبور ہو، ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ: ۲۸۶)

یہ چونکہ ان عدالتوں سے بچ سکتا تھا اس لیے اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

۴۔ جب دو شخص کسی معاملے میں جھگڑا کریں اور ان میں سے ایک طاغوت کے فیصلوں سے بغض رکھنے والا ہو اور اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کروانا چاہتا ہو مگر دوسرا فریق اسے بشری قانون سے فیصلے کرنے والی عدالتوں میں جانے پر مجبور کر دے تو پہلے شخص پر کوئی گناہ نہیں سارا گناہ دوسرے فریق کو ہوگا۔

۵۔ اپنا حق حاصل کرنا اور مظلوم کی مدد کرنا (چاہے یہ غیر مسلموں اور کافر عدالتوں کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو) جائز ہے اسے تحاکم الی الطاغوت کہنا غلط ہے۔

۶۔ مروجہ عدالتوں میں پیش ہونے والے بہت سے ذاتی نوعیت کے جھگڑوں کی دو شقیں ہوتی ہیں، ایک شق اللہ کے حق سے جبکہ دوسری بندے کے حق سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے چوری: اس میں اللہ کا حق یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں جبکہ بندے کا

حق یہ ہے کہ اُس کا مال چور سے برآمد کروایا جائے۔ اگر کسی وجہ سے اللہ کا حق لینا ممکن نہ ہو اور صرف بندے کا حق ہی مل سکتا ہو تو بندے کا حق لینا ضروری ہے چاہے ہم اللہ کا حق لینے پر قدرت نہ بھی رکھتے ہوں، کیونکہ دونوں کے حق کو چھوڑ دینے سے کسی ایک کا حق لینا تو بہتر ہی ہے۔

۷۔ ان مروجہ وضعی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں صاحب حق کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے جائز حق سے زیادہ کا مطالبہ کرے۔ اس صورت میں وہ ظلم کا مقابلہ ظلم کے ساتھ کرنے والا شمار ہوگا۔ اسی طرح اُس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ ان عدالتوں سے اپنے مخالف کو غیر اسلامی سزا دینے کا مطالبہ کرے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عدالت مطالبہ کیے بغیر ہی اگر غیر شرعی سزا سنائے تو پھر کس کو گناہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں گناہ فیصلہ کرنے والے پر ہے نہ کہ اپنے حق کی خاطر وہاں جانے والے پر۔

۸۔ غیر مسلموں کی مدد سے کسی نیکی کا کام کرنا، کسی برائی کا خاتمہ کرنا یا ظلم کو روکنا حاکم الٰہی الطاغوت نہیں کہلاتا۔

۹۔ عدل کا فیصلہ چاہے کسی کافر کے ہاتھوں ہی کیوں نہ صادر ہو تو حاکم الٰہی الطاغوت نہیں کہلاتا۔ عدل ہر حال میں محمود و مطلوب ہے، اس کا کرنے والا چاہے کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

۱۰۔ کافرانہ نظاموں کے تحت بعض ممالک میں قائم شرعی عدالتیں جنہیں شخصی معاملات میں فیصلے کرنے کا اختیار ہوتا ہے اُن سے شخصی معاملات (شادی، بیاہ، طلاق و خلع، وراثت وغیرہ) میں فیصلہ کروانا حاکم الٰہی الطاغوت نہیں ہے۔

۱۱۔ غیر اسلامی عدالتوں سے ان مسائل میں رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں جو اسلامی شریعت کے مخالف نہیں ہیں، جیسے اداری اور نظم و نسق کے امور جن میں بعض تجارتی قوانین، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ سے متعلق ملکی قوانین وغیرہ آتے ہیں۔

علامہ محمد امین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ بھی معلوم رہے کہ وہ وضعی قوانین جس کا نفاذ خالق ارض و سماء کے ساتھ کفر ہے اور ایسے قوانین جن کا نفاذ کفر نہیں ہے، میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے:

نظام دو طرح کے ہوتے ہیں شرعی یا انتظامی اور دفتری۔ جہاں تک انتظامی اور دفتری نظام کا تعلق ہے اگر اس کا مقصد نظم و ضبط قائم رکھنا ہے تو اس کی ممانعت نہیں ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ اس بات کا صحابہ اور اُن کے بعد آنے والے اہل علم میں کوئی بھی مخالف نہیں رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے ایسے امور پر عمل کیا جو عہد نبوی میں نہیں تھے۔ جیسے آپ نے رجسٹر میں فوجیوں کے نام لکھے تاکہ معلوم رہے کہ کون حاضر ہے اور کون غائب۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا پیچھے رہ جانے کا علم آپ ﷺ کو تبوک پہنچنے پر ہوا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ کے گھر کو خرید کر جیل خانہ میں تبدیل کر دیا تھا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا تھا تو اس قسم کے انتظامی قوانین جائز ہیں جن کا مقصد نظم و نسق کا قیام ہو اور وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں جیسے ملازمین کے انتظامی امور اور دفتری کاموں کا انتظام وغیرہ۔

البتہ ایسے وضعی قوانین جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہوں ان کا نفاذ آسمان و زمین کے مالک کے ساتھ کفر ہے جیسے یہ دعویٰ کہ میراث میں لڑکے کو لڑکی پر فوقیت دینا انصاف نہیں ہے بلکہ دونوں کو برابر حصہ ملنا چاہیے، یا یہ دعویٰ کہ مرد کو طلاق دینے کا حق یا اُسے چار شادیوں کی اجازت دینا عورت کے ساتھ ظلم ہے، یا زانی کو رجم کرنا اور چور کا ہاتھ کاٹنا وحشیانہ سزائیں ہیں۔ لوگوں کے جان و مال، اعراض و انساب سے متعلق طاغوتی قوانین اللہ کے ساتھ کفر صریح اور تمام مخلوقات کے خالق کے بنائے ہوئے آسمانی نظام کے خلاف

بغادت ہے۔“^۱

۱۳۔ اس صورت حال سے نکلنے کا واحد راستہ خلافت اسلامیہ کا قیام ہے، جس کی جدوجہد کے لیے دعوت و جہاد کو کھڑا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی اسلامی حکومت کے قیام کا نبوی منہج ہے۔ خلافت کا قیام امت پر فرض ہے، شریعت کا قاعدہ ہے کہ

((ما لا یتم الواجب الا به فہو واجب))

جس چیز کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو اُس چیز کو حاصل کرنا بھی واجب ہوتا ہے۔
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



طاغوت کے مسئلے پر بعض بھائیوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ☆

غلط فہمی

کفر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اعتقادی کفر ۲۔ عملی کفر

اعتقادی کفر کا محل دل ہے جبکہ عملی کفر کا محل جوارح (کام کرنے والے اعضائے بدن، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) ہیں، چنانچہ جو کفر کرتے ہوئے خلاف شریعت کوئی کام کرے اور اس کا یہ عمل اس کفر کے مطابق ہو جو اس کے دل میں ہے تو یہ اعتقادی کفر ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا اور ایسا کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور اگر کوئی اس چیز کے خلاف عمل کرتا ہے جو اس کے دل میں (ایمان) ہے تو یہ اپنے رب کے حکم پر ایمان رکھنے والا ہے لیکن اپنے عمل سے اس کی مخالفت کر بیٹھا ہے تو اس کا کفر صرف عملی کفر ہے اعتقادی کفر نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے، چاہے تو اسے عذاب دے، چاہے معاف فرمادے۔ اس لیے غیر اللہ کا قانون نافذ کرنا چونکہ ایک عمل ہے لہذا یہ کفر عملی ہے نہ کہ کفر اعتقادی۔

ازالہ

کفر کی تقسیم کا یہ نظریہ قطعی طور پر غلط ہے کہ اعتقادی کفر ہی ملت سے خارج کرتا ہے جبکہ عملی کفر ملت سے خارج نہیں کرتا۔ درست بات یہ ہے کہ کفر دو طرح کا ہوتا ہے: کفر اکبر جو ملت سے خارج کرتا ہے اور دوسرا کفر اصغر: جو ملت اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ یہ کفر اکبر

☆ ابتدائی تین شہادت کے ازالہ کے لیے ہم نے محترم شیخ حسن موہل حفظہ اللہ کے مجلہ اُحیاء میں شائع شدہ مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

عقیدہ میں بھی پایا جاسکتا ہے اور عمل میں بھی، اسی طرح کفر اصغر عقیدہ میں بھی ہو سکتا ہے اور عمل میں بھی۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اعتقادی کفر میں کفر اصغر بھی ہو سکتا ہے اور عملی کفر میں کفر اکبر بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً ریاکاری اعتقادی شرک ہے، مگر بالاتفاق شرک اصغر اور غیر مخرج من الملتہ ہے۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کو سب و شتم کرنا، بت کو سجدہ کرنا، قرآن کو غلاظت اور گندگی میں پھینکنا اور شعائر اسلام کے ساتھ استہزاء کرنا وغیرہ ایسے اعمال کفر عملی سے متعلق ہیں، مگر قطعی طور پر کفر اکبر اور مخرج من الملتہ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن هنا يظهر خطأ قول جهم بن صفوان ومن اتبعه، حيث ظنوا أن الايمان مجرد تصديق القلب وعلمه، لم يجعلوا أعمال القلب من الايمان، وظنوا أنه قد يكون الانسان مؤمنا كامل الايمان بقلبه، وهو مع هذا يسب الله ورسوله، ويعادي الله ورسوله، ويعادي اولياء الله، ويوالي أعداء الله، ويقتل الأنبياء، ويهدم المساجد، ويهين المصاحف، ويكرم الكفار غاية الكرامة، ويهين المؤمنين غاية الاهانة، قالوا: وهذه كلها معاص لاتنافي الايمان الذي في قلبه.....)) ❶

”یہاں سے ہی جہم بن صفوان اور ان کے پیروکاروں کی خطا واضح ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ ایمان مجرد تصدیق قلب اور دل کے علم کا نام ہے، انہوں نے دل کے اعمال کو ایمان میں شمار نہیں کیا، ان کا یہ گمان ہے کہ انسان اپنے دل سے مومن (کامل ایمان والا) ہو سکتا ہے خواہ (اپنے عمل سے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالیاں ہی کیوں نہ دیتا ہو، خواہ اللہ تعالیٰ اس کے

رسول ﷺ اور اللہ کے دوستوں سے عداوت و دشمنی رکھتا ہو، خواہ انبیاء کو قتل کرتا ہو، مساجد کو مسمار کرتا ہو، قرآن کی بے حرمتی کرتا ہو، کافروں کا انتہائی اکرام و احترام کرتا ہو اور اہل ایمان کو رسوا اور ان کی اہانت کرتا ہو، کہتے ہیں یہ سارے کام گناہ تو ہیں مگر اس ایمان کے منافی نہیں جو دل میں ہے۔“

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض لوگوں کو ایک کفریہ قول کہنے کی وجہ سے کافر قرار دیا، حالانکہ وہ معذرتیں پیش کر رہے تھے کہ ہم تو محض دل لگی اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾

(التوبہ: ۶۵، ۶۶)

”اور اگر آپ پوچھیں تو ضرور کہیں گے ہم تو صرف ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہہ دیجیے! کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کر رہے تھے۔ بہانے مت بناؤ بے شک تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فبين أنهم كفار بالقول مع أنهم لم يعتقدا وصحته.))^①

”پس یقیناً وہ اس قول ہی کی وجہ سے کافر ہو گئے باوجود اس کے کہ انہوں نے اس کے جائز ہونے کا عقیدہ نہیں رکھا تھا۔“

اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ایمان: اعتقاد بالقلب، قول باللسان اور عمل بالجوارح کا نام ہے۔ علماء اہل سنت نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جس طرح کفر اعتقاد سے ہوتا ہے، اسی طرح قول اور عمل سے بھی ہوتا ہے اور صریح کفریہ قول یا صریح کفریہ عمل کی موجودگی میں

① الصارم المسلول، ص: ۳۶۱، طبع دار ابن حزم۔ نیز دیکھیے: کتاب الایمان، ص: ۲۰۷، و مجموع الفتاوی: ۱۷۳/۱۷، ۱۷۲.

دل تصدیق ہو بھی تو فائدہ نہیں دیتی۔ اس سلسلے میں دیکھیے نامور سلفی عالم شیخ علوی بن عبدالقادر القاف رحمۃ اللہ علیہ (المشرف العام علی موقع الدرر السنیة) کی شاندار کتاب ”التوسط والاقتصاد فی أن الکفر یکون بالقول أو الفعل أو الاعتقاد“ اور شیخ الدکتور عبدالعزیز عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ”نواقض الایمان القولیة والعملیة“

غلط فہمی

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 ((وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ سِيفًا وَلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ.....)) تک کی تین آیات یہود خصوصاً بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئیں۔^①
 مذکورہ حدیث سے جب یہ معلوم ہوا کہ یہ تین مذکورہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے متعلق یہود کی ہرزہ سرائی کے بارے میں نازل ہوئیں تو ان آیات کو مسلمانوں کے بعض حکمرانوں اور قاضیوں پر محمول کرنا جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو چھوڑ کر خود ساختہ احکامات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ انہیں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ منزل من اللہ کے خلاف فیصلہ کر کے مجرم ضرور ہیں لیکن انہیں کافر کہنا جائز نہیں۔

ازالہ

یہ آیات اگرچہ یہودیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں مگر صرف انہی کے ساتھ خاص ہرگز نہیں ہیں۔ جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے۔ العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ یعنی عموم لفظ کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ سبب خصوص کا۔^②

① سنن ابوداؤد: ۳۵۷۶۔

② دیکھئے: تفسیر القاسمی: ۲۱۰/۴۔ و مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۳۳۹/۱۳، ۳۳۸ و اضواء البیان للشنفی: ۸۵/۲ و أصول الفقه علی منهج اهل الحديث ص: ۱۳۰ لزرکریا بن غلام قادر الباکستانی۔

یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ ایک کام اگر کوئی یہودی کرے تو کافر ٹھہرے، جبکہ وہی کام کوئی کلمہ گو کرے تو مسلمان!

ایک آدمی نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ان تینوں آیات کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ تینوں آیات بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں؟ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((نعم الإخوة لكم بنو إسرائيل إن كان لكم كل حلوة ولهم كل مرة.))^①

”کتنے ہی اچھے بھائی ہیں تمہارے یہ بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب ان کے لیے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لیے ہے۔“

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب بنی اسرائیل ایسا کرنے سے کافر ہو گئے تھے تو تم بھی جب یہ کام کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔

امام حافظ اسماعیل بن اسحاق القاضی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۸۲ھ) اہل سنت کے کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ اسی آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ کی تفسیر میں اپنی کتاب ”احکام القرآن“ میں رقمطراز ہیں:

((ظاہر الايات تدل على أن من فعل مثل ما فعلوا، یعنی: اليهود، واخترع حكماً، يخالف به حكم الله، وجعله ديناً يعمل به فقد لزمه مثل ما لزمهم من الوعيد المذكور حاكماً كان أو غيره.))^②

”ظاہری آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے کوئی ایسا فعل کیا جیسا

① تفسیر ابن جریر الطبری: ۲۰۳/۵۔ و تفسیر عبدالرزاق: ۱۹۱/۱۔ و مستدرک حاکم: ۳۱۳/۲۔
② ۳۱۲ تفسیر ابن ابی حاتم الرازی: ۱۴۳/۱۴۔

③ محاسن التاویل ”تفسیر القاسمی“ ۲۱۶/۴۔ و فتح الباری ۱۲۹/۱۳

یہودیوں نے کیا تھا اور کوئی ایسا حکم (قانون) اختراع کیا جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو اور اسے دین (نظام، طریقہ زندگی) بنا دیا تاکہ اس پر عمل کیا جائے تو اس پر وہی وعید لازم آئے گی جو ان (یہودیوں) پر آئی تھی وہ خواہ حکمران ہو یا کوئی اور ہو۔“^①

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی ”الجامع الصحیح“ میں اس آیت کے حکم کو عام رکھا ہے۔^②

غلط فہمی

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ ”اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف وہ (خارج) جاتے ہیں کہ یہ ایسا کفر ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے بلکہ یہ حقیقی کفر سے کم درجے کا کفر ہے۔“
اسی طرح کی تفسیر ابی مجلز تابعی سے بھی منقول ہے۔

ازالہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
”یہ آیات اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دو گروہوں (بنو قریظہ اور بنو نضیر) کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔“^③

اور آپ فرماتے ہیں:

”جس نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کا انکار کیا وہ کافر ہے۔“^④
براء بن عازب، حذیفہ بن الیمان، ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کرام اور ابو مجلز، ابورجاء الطخاری، عکرمہ، عبید اللہ بن عبد اللہ اور حسن بصری رحمہم اللہ جیسے کبار تابعین سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ہم سب پر واجب اور ضروری ہے۔

① أضواء البیان: ۸۲/۴۔ ② دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب أحر من قضی بالحکمة
حدیث رقم: ۷۱۴۱۔ ③ سنن ابوداؤد۔ ④ ابن جریر الطبری ۵۹۷/۴۔

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان آیات سے مراد اہل کتاب ہیں یا اس امت کے وہ لوگ جو کتاب اللہ میں نازل شدہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

گذشتہ تمام عبارات سے ان امور کی وضاحت ہوتی ہے:

- ۱۔ یہ آیات اہل کتاب کے کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ان کے علاوہ ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر دیں۔
- ۲۔ جب ان آیات کا اطلاق کیا جائے گا تو اس سے مراد کفر اکبر، فسق اکبر اور ظلم اکبر ہوگا۔ کیونکہ یہ آیات اہل کتاب اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مرجعہ کے مشائخ کا طریق کار ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کو سنتے ہی اس بات پر محمول کر دیتے ہیں کہ ان سے مراد کفر اصغر، ظلم اصغر اور فسق اصغر ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریق اور مسلک کو تقویت پہنچانے کے لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو وسیلہ بناتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ لوگ اس کے ذریعے باطل کو حق اور حق کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس قول کو اس کے حقیقی مقام سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود نہیں ہے۔
- ۳۔ حکمرانوں پر جب ان آیات کو محمول کیا جائے گا تو ان کے حالات کو دیکھا جائے گا۔

۱..... اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے نفاذ کی دعوت دینے والوں سے جنگ کرنے والے ہیں، اور ایسی شریعت کو لوگوں پر زبردستی لاگو کرنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو طاغوت کے قانون کے ساتھ تبدیل کر دیا تو ان لوگوں پر کفر اکبر، ظلم اکبر اور فسق اکبر کا اطلاق ہوگا جس سے وہ ملت اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ چاہے وہ اپنی زبانوں سے یہ بات نہ بھی کہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکاری ہیں۔ کیونکہ وہ عملی طور پر اسی بات کا اظہار کر رہے

ہیں۔ کسی بات کا عملی مظاہرہ زبانی دعویٰ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور یہ عملی مظاہرہ ان کے کفر کی ایک زبردست دلیل ہے۔

۲:..... اگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہیں اور ان کی طرف سے قوی اور عملی تمام قسم کے مظاہر موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے محبت کرتے ہیں، اس کے ساتھ خوش ہیں اور اس کے شدید خواہش مند ہیں اور وہ اس شریعت کے نفاذ کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں یا بعض مسائل میں اپنی خواہشات کی وجہ سے یا کسی کمزوری یا غلط تاویل کی وجہ سے شریعت کے فیصلے سے ہٹ جاتے ہیں اور اس کوتاہی کا انہیں اعتراف بھی ہوتا ہے اور اس کے گناہ کا شعور بھی ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذکورہ قول کا اطلاق ہوتا ہے کہ یہ کفر اصغر اور ظلم اصغر ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا کفر اصغر اور کفر اکبر دونوں کو شامل ہے اس میں فیصلہ کرنے والے کے حالات اور اس کی نیت کو دیکھا جائے گا۔ اگر حاکم اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور اس نے اس سے ہٹ کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس بات پر وہ سزا کا مستحق ہو چکا ہے تو یہ کفر اصغر ہوگا۔ اگر اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں یا اس بارے میں وہ باختیار ہے تو یہ کفر اکبر ہوگا۔“^۱

۴۔ ایک طرف تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ یہ آیات اہل کتاب کے کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ پھر دیکھنا یہ ہے ان کے اس قول: (کفر اصغر یعنی ایسا کفر جو ملت سے خارج کرنے والا نہیں) سے

کون لوگ مراد ہیں؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جن حالات و ظروف اور جس تناظر میں یہ بات کہی تھی، اس کی معرفت حاصل کیے بغیر ان کے اس مقولے کو ہمارے موجودہ حالات پر منطبق کرنا صریحاً ظلم اور نا انصافی ہے۔ یاد رہے ان کا یہ قول قرآن کی اس آیت کی کوئی باقاعدہ تفسیر نہیں، بلکہ خوارج کے باطل استدلال پر رد ہے، خوارج بنو امیہ کے حکمرانوں کی شریعت کی بعض مخالفتوں کی وجہ سے تکفیر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اور واقعی خوارج غلطی اور گمراہی پر تھے۔ کیونکہ بنو امیہ کے دور حکومت میں اللہ کی شریعت کی بالادستی قائم تھی، شرعی احکامات نافذ تھے اور ان حکمرانوں کا ”مرجع“ اور ”قانون عام“ اللہ کی شریعت تھی۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ وہ کفر نہیں ہے جو تم مراد لیتے ہو، یا یہ ”کفر دون کفر“ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کو اگر مکمل گہرائی سے دیکھا جائے اور اس کے سیاق و سباق پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس قول سے اپنے زمانے کے وہ مسلمان حکام مراد لیے ہیں جن کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ ان کی طرف سے عملی طور پر کوئی ایسے قرائن نہیں دیکھے گئے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انکار یا اس کی اہانت لازم آتی ہو۔ وہ لوگوں کی عمومی زندگی میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ذریعے فیصلہ کرنے سے انحراف بھی بنو امیہ کے دور میں ہی شروع ہوا اسی کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے مذکور قول ارشاد فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے فرمان کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

”دین سے جو سب سے پہلی بات مفقود ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔ سب سے پہلے جو میری سنت تبدیل کرے گا وہ بنو امیہ کا ایک آدمی ہوگا۔“ ①

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے خلیفہ کے تعین کے نظام کی تبدیلی مراد لی گئی ہو،

چونکہ اسے شورایت سے وراثت میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔“

اس کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے مسلمان ہونے کے بارے میں کسی کو

کوئی شک نہیں اور کسی نے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔

اس لیے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایسا قول جو انہوں نے خاص بنو امیہ کے حکمرانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا اسے موجودہ دور کے ان حکام پر لاگو کر دیا جائے جنہوں نے قوی اور فعلی طور پر اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مرجع مانے بغیر فیصلہ کرنے کو جائز کر لیا ہے اور ان میں تمام نواقض اسلام جمع ہو چکے ہیں۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ آج بھی اگر کوئی حکمران فی الواقع اللہ کے قانون اور اس کی اتاری ہوئی شریعت پر چلتا ہو۔ وہی نافذ العمل دستور اور غیر متنازع ریفرنس ہو۔ اللہ کی شریعت ہی اس حکمران کا مرجع ہو۔ پھر اگر وہ حکمران کسی مفاد یا دنیا کی محبت، یا ہوائے نفس کی بنا پر کسی مقدمے میں اللہ کے نازل کردہ قانون کے خلاف فیصلہ کرتا ہے، تو اس پر کفر اکبر کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔ ایسا حکمران ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ”کفر دون کفر“ کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔ یعنی یہ کفر تو ہوگا لیکن اس سے وہ حکمران دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ ایسا حکمران تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد ہی نہیں جو اپنے خلاف شریعت فیصلے کو ملک کے طول و عرض میں ایک حکم عام اور ایک واجب الاتباع قانون کا درجہ بھی دے دے کیونکہ اس زمانے میں وضعی اور غیر اسلامی قوانین موجود ہی نہیں تھے کہ جن کے نفاذ پر انہوں نے ”کفر دون کفر“ کہا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور سے ان کی وفات تک کوئی بھی ایسا نظام حکومت مرتب نہیں ہوا تھا، جو اللہ کی شریعت کے مقابلے میں گھڑا گیا ہو کہ جس کو اپنانے اور نافذ کرنے والوں کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بطور نشان وہی کہا ہو کہ یہ ”کفر دون کفر“ ہے۔ البتہ باقاعدہ طور پر ایک منظم غیر اسلامی قوانین کا آغاز تو سقوط بغداد کے بعد ہوا تھا، جب تاتاریوں کے حاکم اول چنگیز خان نے اپنا وضعی قانون ”یاسق“ نافذ کیا۔ تو اس وقت ائمہ اہلسنت نے

ان کو کافر قرار دیا اور ان کے کافر ہونے پر سب علماء کا اجماع نقل کیا۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا فتویٰ ”فی حکم من بدل شرائع الاسلام“ کافی معروف ہے۔ اب ظاہر ہے کہ امام ابن تیمیہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کا علم تھا، مگر انہوں نے اس قول کو تاتاریوں کی تکفیر میں مانع نہیں بنایا۔

مفتی امین اللہ پشاوری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول ’کفرون کفر‘ کے متعلق فرماتے ہیں:

”اگر اس قول کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق تفسیر کی ہے۔ انہیں اس بات کا ہرگز علم نہیں تھا کہ ان کے بعد آنے والے حکمران کس طرح اللہ کے دین کو کھیل تماشا بنالیں گے اور اس دین کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیں گے، ورنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تو بڑے باغیرت اور متقی انسان تھے۔ وہ بھلا اس شخص کے ایمان کا فیصلہ کیسے دے سکتے ہیں جس نے وضعی قانون کو اپنا مقصد حیات بنالیا ہو، اسی پر زندہ رہتا ہو اسی پر مرتا ہو، اسی کا دفاع کرتا ہو اور زندگی کے تمام معاملات میں اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو، پس جس نے فقہ الواقع کی پہچان حاصل کیے بغیر حکم بغیر ما نزل اللہ کے مسئلہ میں وارد احادیث و آثار کو ہمارے حالات پر منطبق کیا تو یقیناً اس شخص نے بالکل واضح خطا کا ارتکاب کیا..... اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں: پس جس شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کی عدم تکفیر پر استدلال کیا تو یقیناً ایسے شخص نے اس روایت کو کافروں کے لیے ڈھال اور ان کے بچاؤ کا ذریعہ بنا دیا اور اس نے اپنے لیے اللہ کے دین کا مفقود و معدوم ہونا پسند کر لیا اور وہ تحکیم بغیر ما أنزل اللہ پر راضی ہو گیا۔ وہ مانے یا نہ مانے۔“ ①

غلط فہمی کیا طواغیت کو کافر کہنے سے پہلے ان پر حجت قائم کرنا ضروری ہے؟

ازالہ کافر کہنے سے پہلے حجت قائم کرنا ان لوگوں پر ضروری ہوتا ہے جو اسلام کے کسی حکم کی مخالفت جہالت کی بنا پر کریں بشرطیکہ وہ اس جہالت کو دور کرنے پر قادر نہ ہوں۔ لیکن یہ طواغیت جن کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین سے اعراض کر کے اس سے بغاوت کا علم بلند کرنے والے ہیں۔ یہ حکام کفر و شرک کی اُن انواع کا ارتکاب کر رہے ہیں جن کے کفر و شرک ہونے پر امت مسلمہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ جیسے غیر اللہ کی پکار، قبروں کی عبادت، مزاروں پر غیر اللہ کو ہونے والے سجدے، تعزیہ پرستی، دین کا مذاق اڑانا، شرعی احکامات سے نفرت و بغض رکھنا، مسلمانوں کے مقابلے پر کفار کی مدد کرنا۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ وہ امور ہیں کہ ان میں کوئی ایک بھی اگر انسان میں پایا جائے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہ حکام دین کی باتوں کو سننا پسند ہی نہیں کرتے۔ ایسے شخص کو کیونکر کافر نہ کہا جائے جو شریعت کو معطل کر دے اور خود کو منصب تحلیل و تحریم پر فائز کر دے خود ہی کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرے، ایسی عدالتیں بنائے جہاں مقدمات و تنازعات لے جائے جاتے ہوں اور (وہ عدالتیں اتنی باختیار ہوں) کہ ان کے فیصلوں پر اعتراض و تعاقب تک ممنوع ہو (ورنہ تو ہین عدالت کا کیس بن جاتا ہو) اور وہ اپنے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ دین کے ان داعیوں سے زیادہ وہ دین کو جاننے والے ہیں اور دین کی طرف بلانے والے یہ لوگ دہشت گرد ہیں، تو اللہ اور اس کے رسول کی شریعت سے اعراض و روگردانی کرنا اور کافروں کے قوانین کو اللہ اور رسول کے احکام پر ترجیح دینا ایسا کفر ہے جس کے مرتکب کے کافر ہونے میں اہل قبلہ کو شک نہیں ہے۔

غلط فہمی:

موجودہ حکمران، حجاج بن یوسف سے زیادہ تو ظالم نہیں ہیں۔ صحابہ تو اس کے پیچھے نمازیں تک ادا کرتے رہے ہیں۔ ان کی تکفیر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

۱۔ شیخ ابوبصیر طرطوسی حفظہ اللہ موجودہ حکام کو حجاج پر قیاس کرنے کا اس طرح رد فرماتے ہیں:

حقیقت میں حجاج حکمران اور خلیفہ نہیں تھا بلکہ وہ اموی خلافت کا ایک گورنر اور کارندہ تھا۔ اس سے ظلم و زیادتی، قتل اور انتقام کی جو غلطیاں صادر ہوئیں وہ اموی خلفاء کے دفاع کی وجہ سے ہوئیں اسی وجہ سے بعض سلف صالحین اس کے ظلم اور اس کی اخطاء کی تاویل کیا کرتے تھے اور اس سے قتال کی بجائے اس کے ظلم پر صبر کرنا زیادہ اولیٰ سمجھتے تھے جبکہ عصر حاضر کے طاغوتی حکمران مسلمانوں سے صرف ان کے دین کی وجہ سے جنگ و قتال کرتے ہیں۔ یہ حکمران ان مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں جو ان سے اللہ کے بندوں اور ملک پر نفاذ شریعت اور اقامت خلافت کا مطالبہ کرتے ہیں چنانچہ معاصر حکمرانوں کی ظلم و سرکشی اور حجاج کے ظلم و زیادتی کے اسباب و محرکات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۲۔ حجاج نے اللہ کی شریعت کو تبدیل نہیں کیا تھا..... نہ ہی اس نے امت کے لیے مغرب اور مشرق سے کفریہ قوانین امپورٹ کیے تھے جیسا کہ موجودہ طاغوتی حکمرانوں نے کیا ہے۔

۳۔ حجاج ایک مجاہد تھا..... وہ اللہ کے راستے میں جہاد کیا کرتا تھا..... شرک اور اہل شرک سے قتال کیا کرتا تھا۔ وقت کا خلیفہ اسے جدھر بلاتا وہ حاضر ہوتا اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتا..... اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں بہت سے علاقے فتح کرائے جو ارض اسلام میں ضم ہو گئے..... ان شہروں کے باشندے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے یا پھر انہوں نے اس سے عہد اور امان حاصل کر لی جبکہ موجودہ طاغوتی حکمرانوں کی نظر میں جہاد جرم اور مجاہدین مجرم ٹھہر چکے ہیں۔ انہوں نے امت کی نعمتیں اور وسائل کافر دشمن کے ہاتھوں بیچ دیئے ہیں۔ انہوں نے دین اسلام، امت اور امت کے بیٹوں کے خلاف دشمنان دین و ملت کے ساتھ ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے پوری پوری موافقت کی ہے..... بنا بریں یہ حجاج کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟..... حجاج کا

جہاد..... جاج کی غیرت و مردانگی.....؟

لہذا موجودہ حکمرانوں کو جاج پر قیاس کرنا باطل اور مردود ہے۔

غلط فہمی:..... بنو امیہ اور بنو عباس کے دور خلافت میں بھی فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق نہیں ہوتے تھے بہت سے امور میں جب وہ فیصلہ کرتے تو حقوق تلف کرتے حدود کو معطل کرتے حتیٰ کہ خون بہائے گئے ان حکمرانوں کو تو کافر نہیں کہا جاتا جبکہ موجود دور کے حکمرانوں کی تکفیر کی جاتی ہے۔

ازالہ:

ہم جب اللہ تعالیٰ کی شریعت سے اعراض کرتے ہوئے غیر اللہ کے قانون کو مرجع بناتے ہوئے اس سے فیصلہ کرنے والے حاکم کے طاغوت ہونے کے بارے میں بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ حاکم نہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کو پسند کرنے والے ہوتے ہیں، اور اس کے متبادل کسی نظام سے خوش نہیں ہوتے۔ اور حتیٰ المقدور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسے لاگو کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں لیکن کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ ان کی ذاتی کمزوری یا بشری لغزش کی وجہ سے ان سے کوئی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت میں صادر ہو جاتا ہے جس کے گناہ کا انہیں پورا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ جیسا کہ بنو امیہ، بنو عباس اور ان کے بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں میں سے اکثر کی کیفیت تھی ان حکمرانوں کے ہاں قانون عام (وہ کسوٹی) جس پر تمام تنازعوں کے فیصلے کیے جائیں (شریعت اسلام کے علاوہ دوسرا کوئی ضابطہ اور قانون ہرگز نہ تھا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے حکمرانوں کو ہم مسلمان کہیں گے کیونکہ معتبر اہل علم میں سے کسی نے بھی ان کے بارے میں کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ اس قسم کے حکمرانوں پر ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے اہل علم کے اس قول کا اطلاق کریں گے جس میں انہوں نے فرمایا: ((لیس الکفر الذی تذہبون الیہ .)) (کفر دون کفر) یہ وہ کفر نہیں ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

کلمہ پڑھ کر اللہ کی شریعت سے انحراف کرنے والے حکمرانوں کے تین ادوار
پہلا دور:..... اللہ کے احکامات سے فیصلہ کرنے میں انحراف سب سے پہلے بنو امیہ
 کے دور میں شروع ہوا جو کہ کفر اصغر تھا کیونکہ ان کے قاضی فیصلوں کے لیے مرجع شریعت کو ہی
 مانتے تھے اس کے باوجود اس دور میں اہل مدینہ نے اُن کے خلاف خروج کیا جن میں سعید
 بن مسیب رحمہ اللہ بھی شامل تھے اسی طرح سیدنا حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے
 بھی انہی کے خلاف خروج کیا جبکہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بنو امیہ کے خلیفہ
 عبد الملک اور مروان کی بیعت پر قائم رہنے کی دعوت دی اور جمہور سلف نے اسی موقف کی
 تائید کی۔

دوسرا دور:..... شدید انحراف کا دور تھا جب معتزلہ نے اللہ کی صفات میں انحراف کیا
 اور امت کے اکابرین کو مجبور کیا کہ قرآن کو مخلوق کہیں اُن کا یہ کفر ملت سے خارج کرنے والا
 تھا لیکن اس مسئلہ کا تعلق امور خفیہ سے ہونے کے باعث جمہور اہل علم نے انہیں جہالت کا
 عذر دیا اور تکفیر کو اقامت حجت کے ساتھ مشروط کیا۔ البتہ بعض اہل علم نے اس دور میں بھی
 حکام کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا، جیسے امام احمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ جب خلیفہ کا نام
 لیتے تو یوں کہتے: قال هذا الخنزیر۔ جب کہ امام احمد بن حنبل نے خلیفہ کی تکفیر نہیں کی اور
 نہ اُس کی بیعت توڑی، وہ اپنے پر ظلم ڈھانے والوں کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے اور دعا
 بھی کرتے تھے۔ حاکم وقت نے امام احمد بن نصر کو بغاوت کے جرم میں شہید کر ڈالا۔ ائمہ
 دین نے آپ کا جن الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

((الامام الكبير الشهيد.....))^①

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کا ذکر سن کر کہا:

((ماکان أسخاه بنفسه لله رحمه الله ، لقد جاد بنفسه له .))

”آپ نے کس قدر فیاضی سے اپنی جان کو اللہ کے لیے پیش کر دیا۔ اللہ آپ پر

رحم فرمائے۔ آپ نے اللہ کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔“

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ان کے متعلق فرمایا:

((قد ختم الله له بالشهادة.))^۱

”اللہ نے آپ کا خاتمہ شہادت پر فرمایا۔“

تیسرا دور: خلافت فاطمیہ کا تھا جو کفر صریح کے مرتکب تھے، امام سیوطی رحمہ اللہ (جو بے حد متقابل ہیں) تک کے نزدیک وہ کافر ٹھہرے اسی طرح اللہ کی شریعت کی بجائے ”یاسق“ کے قوانین سے فیصلے کرنے والوں کی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تکفیر کی۔ اسی طرح ماضی قریب میں خلافت عثمانیہ کہ جس کا مرجع ظاہر کتاب و سنت تھا، ملک میں جا بجا اسلامی شعائر کا اظہار ہوتا تھا، جہاد جاری تھا، حج اُن کی سرپرستی میں ادا ہوتا تھا، ملک میں قاضی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے، قانون میں غیر شرعی بات کو شامل کرنے کے لیے وہ حیلوں بہانوں سے کام لیتے تھے۔ لیکن ان کے آخری ادوار میں قبر پرستی اور مہوفیت کو سرکاری سرپرستی ملی اور یہ اہل توحید کے مد مقابل لڑنے کو کھڑے ہو گئے، چنانچہ ان کے لشکروں نے بہت سے نجدی علماء کو شہید کیا، موحدین کے خلیفہ وقت کو پھانسی دی گئی، مسلمانوں کی بستیوں کو تاراج کیا گیا۔ جس پر اُس دور کے کئی ایک اہل علم نے انہیں مرتد قرار دیا جن میں امام محمد بن عبد الوہاب کے پوتے علامہ عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ دیکھیے ناصر بن حمد الفہد حفظہ اللہ کی کتاب (الدولة العثمانية وموقف دعوة الشيخ محمد بن عبد الوہاب منها)

غلط فہمی: طاغوت کے محکموں میں نوکری کرنا طاغوت کی بندگی کرنا ہے کیا یہ

کفر بالطاغوت کے خلاف نہیں؟

ازالہ: طاغوت کے تمام محکموں کا حکم ایک جیسا نہیں ہے۔ اس کے محکموں کو ہم

دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱: طاغوت کے وہ محکمے جن میں شرعاً حلال کام ہوتے ہیں اور جس میں ان کے ساتھ تعاون سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ایسے محکموں میں کام کرنا جائز ہے کیونکہ ایسے محکموں میں کام کرنے والا کسی کفر کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کفر بالطاغوت کے معنی اس کی بندگی سے اجتناب قرار دیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ (الزمر: ۱۷)

”اور جو لوگ طاغوت کی عبادت کرنے سے بچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہے۔ ان کے لیے بشارت ہے لہذا میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے۔“

اسی لیے اگر کوئی شخص کفر بالطاغوت کی شرط کو پورا کرتے ہوئے اس کے محکموں میں نوکری کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے۔

۲: طاغوت کے وہ محکمے جس میں کام کرنے والے پر کفر کا ارتکاب لازم آتا ہو جیسے معبودان باطلہ اور اس کے کفریہ دین کا احترام کرنا بلکہ اللہ کے دین سے براءت کا اظہار کرنا، اللہ کے قوانین کی بجائے غیر اللہ کے قوانین کے مطابق فیصلے کرنا، غیر اللہ کے قوانین کے مطابق کیے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کروانا یا کفریہ قوانین کے احترام کا اظہار کرنا اور معصوم مسلمانوں کو قتل کرنے میں طاغوت کی مدد کرنا یا طاغوت کے لیے الولاء یعنی محبت کا اظہار کرنا یا کفر کے کاموں میں مدد کرنا تو ایسے محکموں میں کام کرنے والوں کے ان کے عمل کے لحاظ سے مختلف مراتب بنتے ہیں اور بعض عمل ایسے ہیں کہ جن کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔

جميع الغاط الخيرية۔ سعودی عرب سے شیخ ابوالکیم مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ مسلمان کی کسی کافر کے ہاں مزدوری یا نوکری کے بارے میں لکھتے ہیں:

علماء نے کافر کے ہاں کام کرنے کی دو نوعیتیں بیان کی ہیں:

۱: **ذاتی نوکری کرنا:** یعنی کسی کافر کے ہاں خادم یا ڈرائیور وغیرہ کی حیثیت سے کام کرنا۔ کسی مسلمان کے لیے کسی کافر کے ہاں نوکری کرنا ناپسندیدہ عمل ہے، کیونکہ اس طرح سے مؤمن اپنے آپ کو لازماً ذلیل کرے گا، اور یہ جائز نہیں ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو کسی کافر کے مقابلے میں رسوا کرے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ①

مشہور شارح بخاری مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اہل علم نے مسلمان کے لیے ارضِ حرب میں کافر کی ذاتی نوکری کو ناپسند کیا ہے۔ الا یہ کہ اگر اشد ضرورت درپیش ہو تو دوشرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ عمل فی نفسہ مسلمان کے لیے جائز ہو اور دوم یہ کہ اس کام سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہوتا ہو۔“ ②

۲: **مزدوری کرنا:** اگر کوئی مسلمان کسی قسم کا صنعت و حرفت کا پیشہ جانتا ہو جیسے لوہار بڑھئی، معمار وغیرہ، جن لوگوں کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی ضرورت مند سے کوئی کام لے کر اسے پورا کر دیں، یا محدود وقت کے لیے ان سے کسی کام پر معاہدہ کر لیں، یا صاحب پیشہ کسی دوکان پر بیٹھتا ہو اور کافر و مشرک اس کے پاس کوئی چیز بخوانے آتے ہیں جیسے رفوگر، درزی اور گھڑی ساز وغیرہ، تو ایسا کرنا جائز لیکن علماء نے اس کام پر بھی دوشرطیں لگائی ہیں:

۱:..... اس کام سے مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

ب:..... وہ کام فی نفسہ مسلمان کے لیے جائز ہو۔

اس بات کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

”سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک لوہار تھا، ہم نے عاص

بن وائل کے لیے کچھ چیزیں بنائیں، جب اس کے پاس میری خاصی مزدوری جمع ہوگئی میں اپنی مزدوری لینے کے لیے اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا کہ میں اس وقت تک تجھے مزدوری نہیں دوں گا جب تک تو محمد کا انکار نہیں کرتا میں نے کہا کہ اللہ کی قسم تو مر جائے پھر زندہ ہو پھر بھی میں محمد کا انکار نہیں کروں گا اس نے کہا میں مروں گا اور پھر زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں (ایسا ضرور ہو گا) تو وہ کہنے لگا اچھا وہاں بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوگی پھر میں تجھے وہاں تیری مزدوری دے دوں گا۔“ تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۚ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝﴾ (مریم: ۷۷-۷۸)

”بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیات کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ مجھے مال و اولاد ضرور دیا جائے گا؟ کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا ہے یا اس نے اللہ سے عہد لے رکھا؟“ ①

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ابن المنیر رحمہ اللہ نے کہا کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کاریگروں اور پیشوروں کے لیے اپنی دکانوں میں اہل ذمہ کا کام کرنا جائز ہے، ایسا کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرنا نہیں ہے، برخلاف اس کے کہ ان کے گھروں میں ان کا تابع فرمان ہو کر ان کی خدمت کرنا (اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے اس لیے یہ عمل نا پسندیدہ ہے)“ ②

غلط فہمی..... ایک طاغوت وہ ہوتا ہے جو کلمہ کا انکاری ہے اور ایک طاغوت وہ ہے جو کلمہ کا اقراری ہے۔ کلمہ کا انکاری طاغوت کافر ہوتا ہے جبکہ کلمہ کا اقراری طاغوت منافق

① بخاری: ۲۰۹۱، مسلم ۲۷۹۵.

② فتح الباری: ۴/۴۵۲۔ وفاداری یا بیزارى: ۳۳.

ہوتا ہے جس کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ابی طاغوت تو تھا مگر وہ کافر نہیں تھا۔ اسی لیے اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک کیا گیا۔ اسی طرح غیر اللہ کا نظام نافذ کرنے والے حکمران جو ہم پر مسلط ہیں، وہ طاغوت ہونے کے باوجود منافق تو ہیں مگر انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح کلمہ کے اقراری ہیں۔

ازالہ.....: اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے سب سے پہلے ہمیں سمجھنا ہوگا:

۱۔ منافق کون ہوتا ہے؟

۲۔ کافر و مرتد کون ہوتا ہے؟

۳۔ طاغوت کون ہوتا ہے؟

منافق.....: منافق کی تعریف امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ یوں کرتے ہیں:

((المنافق هو الذی یضمّر الکفر اعتقاداً ویظهر الايمان

قولاً)) ①

”منافق وہ ہوتا ہے جو اعتقاداً کفر پر ہوتا ہے لیکن زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

((المنافق هو الذی خرج من الايمان باطننا بعد دخوله فيه

ظاهراً)) ②

”منافق ایسا شخص ہوتا ہے جو ظاہراً اسلام قبول کیے ہوتا ہے لیکن اس کے دل

سے ایمان نکل چکا ہوتا ہے۔“

اسی طرح شیخ ابن شمیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

((المنافق هو الذی يظهر انه مسلم ولكن قلبه كافر۔ والعياذ

بالله)) ③

① التعريفات، ص ۲۹۸۔

② المجموع الفتاوى: ۳۰۰/۷۔

③ شرح رياض الصالحين۔

”منافق وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے لیکن اس کا دل کافر ہوتا ہے۔“
 ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ منافق کفر کو اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے اور دکھاوے کے طور پر
 اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ بعض مواقع پر اس سے کفریہ اقوال و اعمال ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن
 وہ قسمیں کھا کر انکار کر دیتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کے نزدیک کافر اور مستقل جہنمی ہوتا ہے۔ لیکن
 ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے دنیا میں اس کو مسلمانوں والے حقوق ملتے ہیں۔
 دنیا میں اس کی جان و مال مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ ہے۔ اس کا قتل جائز نہیں:

ایک مرتبہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا۔ اور کہا: اے اللہ کے
 رسول! عدل کیجئے۔ آپ نے عدل نہیں کیا۔ ❶ آپ نے فرمایا تیری بربادی ہو اگر میں عدل
 نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟ ❷ ایک روایت میں ہے اے محمد اللہ سے ڈر۔
 آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو کون اللہ کی اطاعت کرے گا۔ ❸

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا! اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن
 نہ مار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ اللہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا
 ہوں۔ اس کو چھوڑ دو اس کے ایسے ساتھی ہوں گے، جن کی نماز کے مقابلہ میں تم اپنی نماز کو اور
 ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کی
 ہنسی سے نیچے نہیں اترے گا، وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں
 گے۔ دین اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اگر
 میں ان کو پاؤں تو قوم عاد و ثمود کی طرح قتل کروں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”اے اللہ
 کے رسول، کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟“ آپ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ یہ نماز پڑھتا ہو۔ خالد
 نے کہا کتنے ہی نمازی ہیں جو زبان سے ایسے بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی۔
 آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کے دیکھوں۔ ❹

❶ بخاری: ۴۶۶۷.

❷ بخاری: ۶۱۶۳.

❸ بخاری: ۳۳۴۴.

❹ بخاری: ۳۳۴۴، مسلم: ۱۰۶۴.

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ منافقین کو قتل نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں:
۱۔ لوگوں کے دلوں کو چیرنے کی اجازت نہیں۔ ہمیں تو اس کا دل بھی چیرنے کی اجازت
نہیں جو میدان جنگ میں بہت سے مجاہدین کو شہید کر دے اور جب تلوار اس کے سر پر
آئے تو لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لے۔ ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا ایک دستہ مشرکوں کی طرف بھیجا۔ ان کا باہم مقابلہ
ہوا۔ ایک مشرک جب کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا موقع پا کر اسے قتل کر دیتا۔ اسامہ بن
زید رضی اللہ اور ایک انصاری صحابی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسامہ نے جب اسے
مارنے کے لیے تلوار اٹھائی تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا۔ لیکن انہوں نے اسے قتل
کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے اسامہ کا قصہ بیان ہوا۔ آپ نے انہیں بلایا اور پوچھا
تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے مسلمانوں کو بڑی
تکلیف دی۔ اس نے فلاں اور فلاں کو شہید کیا (یہ صورت حال دیکھ کر) میں نے اس شخص پر
حملہ کیا جب اس نے تلوار دیکھی تو اس نے (جان بچانے کے لیے) لا الہ الا اللہ پڑھ
دیا۔ آپ نے پوچھا پھر کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟ انہوں نے کہا ہاں اس نے ہتھیار کے خوف
سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیرا تھا کہ تمہیں علم ہو گیا کہ اس نے کلمہ دل
سے نہیں کہا تھا۔ جب قیامت کے دن وہ لا الہ الا اللہ لائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟
اسامہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے آپ نے پھر فرمایا جب
قیامت کے دن وہ کلمہ لا الہ الا اللہ لائے گا تم کیا کرو گے؟ آپ یہی کلمہ دہراتے رہے
یہاں تک کہ اسامہ نے آرزو کی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔^①

۲۔ لوگ یہ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

ذرا سوچئے منافقین ساتھیوں میں کیوں شمار ہوتے ہیں؟
صرف اس لیے کہ معاشرے کے اندر یہ منافق اللہ، اس کے رسول، فرشتوں، کتابوں

اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ اور دین محمد کے حمایتی اور مددگار ہیں۔ ان کے اندر کافر جب کبھی چند لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے تو فوراً مکر جاتے ہیں۔ عبد اللہ بن ابی نے ایک محفل میں کلمہ کفر کہا اس کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں:

”سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا جو لوگ محمد کے ساتھ ہیں ان کو کچھ نہ دیا کرو جب انہیں کچھ نہیں ملے گا تو خود ہی بھاگ جائیں گے ہم نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور فریادری کی۔ اب مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل آدمی کو مدینہ سے نکال دے گا۔ زید بن ارقم نے اس بات کا ذکر عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی رسول اللہ ﷺ نے زید سے پورا واقعہ سنا پھر آپ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور اس واقعہ کی تحقیق کی۔ تمام منافقین نے قسمیں کھا کر انکار کر دیا اور زید کی تکذیب کی رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات کو سچا سمجھا اور سیدنا زید کی بات کو غلط سمجھا۔ سیدنا زید کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا لیکن تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ نے زید کو بلا کر کہا کہ اللہ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے اور سورۃ منافقون کی آیات نازل ہوئیں۔“ ❶

قسمیں کھا کھا کر اپنے کلمہ کفر سے انکار کی بنا پر یہ منافقین مسلمانوں والے حقوق حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حرکت کا دو مقام پر اس طرح تذکرہ فرمایا:

﴿اتَّخِذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (المنافقون: ۲)

”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، اس طرح وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بہت برا کام ہے جو وہ کر رہے ہیں۔“

﴿اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (المجادله: ۱۶)

”انہوں نے اپنے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لہذا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“
قسموں کو ڈھال بنانے کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی (بناوٹی) نیک نیتی کو اپنے ایمان کی دلیل بنانا شروع کر دیتے ہیں:

﴿وَلَيَعْلِفَنَّ إِنَّ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى﴾ (التوبہ: ۱۰۷)
”اور وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔“
﴿قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾ (البقرہ: ۱۱)
وہ کہتے ہیں کہ ”ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ دین کو نقصان پہنچانے، اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرنے کے باوجود دنیا میں انہیں مسلمانوں والے حقوق ملتے ہیں جبکہ آخرت میں جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۴۵)

”کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔“
ان کے ظاہری کلمہ کی وجہ سے بعض نیک لوگ بھی ان کے حمایتی بن سکتے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دفعہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر رسول اللہ ﷺ کو سخت تکلیف پہنچائی۔ آپ نے اس کی شرارتوں سے پریشان ہو کر فرمایا کون ہے جو اس شخص کے مقابلہ میں میری مدد کر سکے جس نے میری بیوی

کے معاملہ میں مجھے سخت صدمہ پہنچایا ہے؟ اللہ کی قسم میں اپنی بیوی میں سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتا۔ یہ سن کے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا ”یا رسول اللہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ اگر وہ اس قبیلہ کا آدمی ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے بھائی خزرج قبیلہ کا آدمی ہے تو جو حکم آپ دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔“ یہ سن کر قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ یہ بہت اچھے آدمی تھے لیکن اس موقع پر پھسل گئے۔ قومی حیثیت اور غرور نے انہیں ابھارا۔ کہنے لگے ”تم جھوٹے ہو واللہ تم خزرجی کو قتل نہیں کر سکتے اور نہ اس کے مارنے پر قادر ہو سکو گے۔ اسید رضی اللہ عنہ نے کہا تم جھوٹے ہو۔ اللہ کی قسم ہم اسے مار ڈالیں گے، تم منافق ہو کہ منافقوں کی طرف سے جھگڑتے ہو۔“ اس بات پر اس اور خزرج دونوں قبیلے اتنا بھڑکے کہ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ابھی منبر پر ہی تھے۔ آپ ان کو چپ کراتے رہے یہاں تک کہ بالآخر وہ چپ ہو گئے۔ ❶

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایک منافق کے دعویٰ ایمان کی وجہ سے اس کی حمایت کر بیٹھے۔ تو جو لوگ ابھی اسلام کی طرف مائل ہیں ان منافقین کا قتل ان کے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لوگ کہیں گے محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔“

جب عبد اللہ بن ابی قیس کھا کر اپنے کفر کا انکار اور اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہے تو طاغوت کیسے بن سکتا ہے؟ طاغوت تو کفر کا وہ امام ہوتا ہے جو اعلانیہ لوگوں سے اپنی بندگی کرواتا ہے۔ اس لیے عبد اللہ بن ابی منافق تھا نہ کہ طاغوت۔ اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی نے عبد اللہ بن ابی کو طاغوت کہا ہے اور منافق کو مسلمانوں والے حقوق صرف اس لیے ملتے ہیں کہ وہ قسمیں کھا کر اپنے کفر کا انکار کرتے ہیں۔

مرتبہ: مرتد وہ ہوتا ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد کفر اکبر یا شرک اکبر (یعنی نواقض اسلام میں سے کسی) کا ارتکاب کرے۔

ایشیخ صالح بن فوزان الفوزان رحمۃ اللہ علیہ ارتداد کی چار قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
قولی ارتداد: جیسے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں میں سے
 کسی رسول کو سب و شتم کرنا (برا بھلا کہنا)۔ نبوت کا دعویٰ کرنا، نبوت کا دعویٰ
 کرنے والے کی تصدیق کرنا، غیر اللہ کو پکارنا، اس سے ایسی چیزوں میں مدد
 طلب کرنا جن پر صرف اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے، اس سلسلہ میں غیر اللہ سے
 پناہ مانگنا۔

عملی ارتداد: مثلاً بت، درخت، پتھر اور قبروں کو سجدہ کرنا اور ان کے لیے
 قربانی کرنا، گندی جگہوں میں قرآن مجید پھینکنا، جادو کرنا، اس کو سیکھنا اور سکھانا،
 اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق اسے جائز
 سمجھتے ہوئے فیصلہ کرنا۔

اعتقادی ارتداد: جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کا شریک و ساجھی ہونے کا عقیدہ
 رکھنا، یا یہ اعتقاد رکھنا کہ زنا، شراب اور سود حلال ہے، یا یہ اعتقاد کہ روٹی حرام
 ہے، یا یہ کہ نماز واجب نہیں ہے اور اس طرح اُن تمام چیزیں کو حلال، حرام یا
 واجب تسلیم نہ کرنا، جن کے حلال، حرام یا واجب ہونے پر امت کا قطعی اجماع
 ہے اور اس طرح کی چیزوں سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہوتا۔

ارتداد بسبب شك: یعنی ارتداد کی جو قسمیں گذر چکی ہیں ان میں سے
 کسی چیز میں شک کی وجہ سے ارتداد لازم آنا مثلاً شرک، زنا اور شراب کے حرام
 ہونے، روٹی کے حلال ہونے میں شک کرنا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء
 میں سے کسی کی رسالت میں شک کرنا، ان کی سچائی میں شک کرنا، دین اسلام کے
 بارے میں شک کرنا یا اس زمانہ کے لیے اس کی صلاحیت میں شک کرنا وغیرہ۔^①
 کلمہ بڑھنے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی بنا پر مرتد ہونے والوں سے صحابہ کرام کا

طرز عمل ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوتے ہی عرب کے بعض لوگوں نے کفر اختیار کیا (یعنی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”آپ ان لوگوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، پھر جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس نے اپنا مال اور اپنی جان کو مجھ سے بچا لیا مگر کلمہ کا جو حق ہے وہ اس سے ضرور لیا جائے گا اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا۔“ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اللہ کی قسم میں ضرور اس سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا۔ (یعنی جو نماز تو پڑھے گا لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا) اللہ کی قسم اگر ایک بھیڑ کا بچہ بھی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے اس بچہ کو روک لینے پر جنگ کروں گا۔“ سیدنا عمر کہتے ہیں ”اللہ کی قسم! اللہ نے ابوبکر کے سینہ کو کھول دیا تھا، بعد میں میں بھی سمجھ گیا کہ یہی حق ہے۔“ (یعنی جنگ کرنا ضروری ہے) ❶

دیکھئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے لیے بھی کلمہ کو دلیل بنا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بحث کرتے ہیں لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو منافق ماننے سے انکار کرتے ہوئے ان سے قتال کرنے کا فیصلہ کیا حالانکہ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں، مگر اپنے مال کے بارہ میں ان کی بات نہیں مانتے۔ اس کے باوجود سیدنا عمر فاروق اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات مان کر ان سے قتال پر اجماع کر لیا۔

رہی یہ بات کہ غیر اللہ کا نظام نافذ کرنے والے حکمران منافق ہیں کافر و مرتد نہیں تو یہ بات جان لینے کی ضرورت ہے کہ جب کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نواقض اسلام میں سے کسی ایک نواقض کا اعلانیہ ارتکاب کرتا ہے تو وہ مرتد ہوتا ہے۔ جیسا کہ آج کے حکمران جو

اعلانیہ اور اس سے بڑھ کر جبر و قہر سے لوگوں پر غیر اللہ کے قوانین نافذ کرتے، مظاہر شرک کی حفاظت، ان کے تقدس کا اقرار اور شرک و کفر پھیلانے والے لیڈروں کو ترجمان اسلام کی حیثیت سے ذرائع ابلاغ پر مسلط کرتے ہیں۔

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو شخص شریعت اسلامیہ پر چلے لیکن خود ساختہ قوانین کو شریعت کا متبادل قرار دے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ خود ساختہ قانون کو شریعت سے بہتر اور موزوں سمجھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کفر اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور توحید کے منافی ہے۔“^①

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جب آدمی اپنے فیصلہ کو غیر اللہ کی طرف اس اعتقاد کے ساتھ لے جائے کہ وہ ایسا کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے اور اللہ کا فیصلہ ہی برحق اور درست ہے تو اس کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ کم تر درجے کا کفر یعنی کفر اصغر ہے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جس سے ایک آدھ بار ایسا ہو گیا ہو۔ لیکن جنہوں نے ایک ترتیب کے ساتھ قوانین وضع کر لیے ہیں جن کی پابندی کی جاتی ہے تو یہ کفر ہے اگرچہ وہ کہتے پھریں کہ: ہم سے غلطی ہو گئی اور شریعت کا فیصلہ ہی سب سے بڑھ کر عدل و انصاف والا ہے۔ یہ کفر ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔“^②

اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے علمائے کرام کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ سے استفتاء:

سوال: طاغوت کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا ہر طاغوت کافر ہوتا ہے؟

جواب: لغوی اعتبار سے طاغوت طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے تجاوز

① عقیدۃ التوحید: ۱۵۴.

② فتاویٰ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ ۱۲/۲۸۰ - عقیدۃ التوحید، ص ۱۵۴.

کرنا ہوتا ہے۔ حق سے باطل اور ایمان سے کفر کی طرف تجاوز کرنا۔ طواغیت تعداد کے اعتبار سے کثیر ہیں۔ اور ہر طاغوت بلا شک و شبہ کافر ہے۔

طواغیت کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر ان کے سرغنہ پانچ ہیں جیسا کہ علامہ ابن قیم اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے:

”پہلا طاغوت: شیطان ہے، اللہ اس پر لعنت کرے۔ یہ طواغیت کا سرغنہ ہے۔ جو کہ گمراہی، کفر و الحاد اور جہنم کی آگ کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ دوسرا طاغوت: وہ ذات ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہو اور وہ اپنی عبادت کیے جانے پر راضی ہو۔ پس ہر وہ ذات جو اس بات پر راضی ہو جاتی ہے کہ اس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے تو وہ طاغوت ہے، رہی وہ ذات جس کی عبادت تو کی جاتی ہو مگر وہ اپنی عبادت کیے جانے پر راضی نہ ہو تو وہ طاغوت نہیں ہے۔

تیسرا طاغوت: جو علم غیب کا دعویٰ کرے، اور یہ کہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے تو وہ طاغوت ہے کیونکہ غیب کا علم اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

چوتھا طاغوت: جو لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے وہ بھی طاغوت ہے۔ جیسا کہ صوفیت کے رستے پر چلنے والے کچھ لوگ جو اللہ کے بندوں پر مسلط ہوتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو الوہیت کے مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں اور وہ فلاں اور فلاں اختیارات رکھتے ہیں۔ اس طرح بندوں کو اپنے خاص مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور وہ باطل طریقے سے لوگوں کے سربراہ بنتے ہیں۔

پانچواں طاغوت: جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون سے فیصلے کرتا ہے وہ درحقیقت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا غیر اللہ کے قانون سے فیصلے کرنا لوگوں کے لیے زیادہ فائدے کا باعث اور زیادہ مناسب ہے۔ یا یہ کہ غیر

اللہ کا قانون اللہ کے قانون کے مساوی ہے اور اسے اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اللہ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ کرے یا غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے۔ یا پھر یہ کہ غیر اللہ کے قانون سے فیصلے کرنا جائز ہے۔ پس ایسا حاکم طاغوت اور کافر ہے۔ ❶ واللہ اعلم

شیخ حامد العلی حفظہ اللہ سے استفتاء:

سوال:.....محترم شیخ! ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو طواغیت کی حمایت اور ان کا دفاع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ضروری نہیں کہ طاغوت بذات خود کافر بھی ہو خواہ وہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر خود سے قانون سازی کرتا ہو اور اللہ کے احکام کو وضعی قوانین کے ساتھ تبدیل کرتا ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اُسی طرح اپنی عبادت کیے جانے کے سبب طاغوت ہو کہ جس طرح سورج اور چاند کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ (اور یہ عبادت کروائے جانے کے باوجود کافر نہیں ہیں۔)

جواب:..... علمائے کرام کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ طاغوت اسے کہتے ہیں کہ جو اللہ پر اس قدر سرکشی اختیار کرے کہ اپنی عبادت کروانے لگے۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں:

((ما تجاوز به العبد حده ، من متبوع ، او معبود ، او مطاع .))

”وہ متبوع (جس کی اتباع کی جاتی ہو) ہو یا وہ معبود (جس کی عبادت کی جاتی

ہو) ہو یا وہ مطاع (جس کی غیر مشروط اطاعت کی جاتی ہو) ہو طاغوت ہے۔“

اگر کسی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں تو اس پر لفظ طاغوت کا اطلاق نہیں ہوگا۔ پھر اگر وہ ذات کہ جسے اللہ کے سوا معبود بنا لیا گیا ہو اگر اپنی عبادت کیے جانے پر راضی ہے تو اس کا طواغیت میں سے ہونا ایک واضح امر ہے۔ اور اگر اس ذات کا تعلق انبیاء و صالحین سے ہے

❶ المنتقى من فتاوى فضيلة الشيخ صالح بن فوزان بن عبد الله الفوزان۔ ج: ۲/ص: ۲۷۸۔ رقم

کہ جو اس بات سے ہرگز ہرگز راضی نہیں ہوتے کہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کی جائے، یا اس ذات کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ان مخلوقات سے ہے کہ جنہیں انسان کے لیے مسخر کیا گیا ہے جیسے سورج اور چاند، تو یہ طاغوت نہیں ہیں بلکہ یہاں طاغوت شیطان ہے کہ جو ان کی عبادت کی طرف بلانے والا ہے۔

ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ یقیناً جو لوگ صالحین، پتھروں، بتوں، سورج یا چاند کی عبادت کرتے ہیں وہ اس یقین کے ساتھ ان کی عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہستیاں اپنی اس عبادت کیے جانے پر راضی ہیں کیونکہ اگر یہ بات نہ ہو تو وہ ان کی کبھی عبادت ہی نہ کریں..... ایسی چیزوں کی عبادت کرنے والا شخص کافر ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرنے والا ہے۔ اس کی عبادت کو شیطان نے ان کے لیے مزین کر رکھا ہے اس صورت میں اصل طاغوت شیطان ہوتا ہے۔ اُسی نے ان کے لیے شرک کو مزین کیا ہے۔ اسی طرح شیطان ہی انسان کے لیے اس کے نفس کو مزین کرتا ہے اور انسان اپنے نفس کو الہ بنا لیتا ہے اس طرح اس کا نفس طاغوت بن جاتا ہے، اسی طرح انسانوں میں سے بعض اپنی عقل کو الہ کے مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں ایسی صورت میں یہ عقل طاغوت ہوتی ہے۔ اگر یہ اپنے نفس کو اللہ کے احکامات کے تابع کر دیتے تو وہ ان کا طاغوت نہ بنتا اسی طرح اگر وہ اپنی عقلوں کو اللہ کی وحی کے نور سے منور کر لیتے تو تب ان کی عقلیں بھی طاغوت نہ بنتیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا جو اللہ کے فیصلے کے انتظار میں چالیس سال تک کھڑے پھرائی آنکھوں کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا کیا تم اس رب پر راضی نہیں ہو جس نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا اور یہ حکم دیا کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (آج تمہارے رب کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں) جو شخص جس سے لو لگائے ہوئے تھا اور جس کی عبادت کرتا تھا آج وہ اسی کے ساتھ چلا جائے۔ (پھر وہ پکار لگانے والا پوچھے گا) کیا

تمہارے رب کا یہ فیصلہ عدل پر مبنی نہیں ہے؟ لوگ کہیں گے کیوں نہیں! پس ہر قوم ان کے پیچھے چل نکلے گی کہ جن کی وہ دنیا میں عبادت کرتی تھی اور جن سے عقیدت رکھتی تھی۔ (اس دن جن کی لوگ عبادت کرتے تھے ان کے لیے انکے معبودوں کی شبیہ بنادی جائے گی اور وہ ان کے پیچھے چل پڑیں گے۔ ان میں سے کوئی تو سورج کے پیچھے چلے گا اور کوئی چاند کے پیچھے اور کوئی پتھروں کے بتوں کے پیچھے (الغرض) وہ اپنے اپنے معبودوں کی تمثال کے پیچھے چل نکلیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔ جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتا تھا ان کے لیے شیطان کو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دے دی جائے گی اور جو کوئی عزیر علیہ السلام کی پوجا کرتا تھا اس کے لیے شیطان کو عزیر علیہ السلام کی شکل دے دی جائے گی۔^①

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاغوت کافر ہی ہوتا ہے۔ جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان کے طاغوت ہونے کا سبب ان کا سرکشی میں اتنا بڑھ جانا ہے کہ وہ اپنی عبادت کروانے پر راضی ہو جاتے ہیں یا پھر ان کا طاغوت شیطان ہوتا ہے جو کہ مشرکین پر انبیاء و صالحین اور اسی طرح بعض دیگر مخلوقات کی عبادت کو مزین کرتا ہے اور وہ اس کی اطاعت کرنے لگتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

﴿الْمُ أَعْهَدَ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ وَأَنْ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ (یس: ۶۰، ۶۱)

”اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے قول و قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھی راہ ہے۔“

پس غیر اللہ کی ہر عبادت شیطان کی عبادت ہے جو کہ طاغوت اکبر ہے۔ طاغوت کے معنی کے حوالے سے مفسرین کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

امام طبری رحمہ اللہ: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ...﴾ کی تفسیر میں طاغوت

”طاغوت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو اللہ پر سرکشی کرنے والی ہو اور جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو۔ طاغوت کی یہ عبادت ان لوگوں پر قہر و غلبہ کے سبب بھی ہو سکتی ہے کہ جن کے دلوں پر اس کا رعب بیٹھا ہوتا ہے اور یہ ان عبادت گزاروں کی (رضامندی اور خوشی کے ساتھ) اطاعت کرنے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ یہ معبود انسان بھی ہو سکتا ہے اور شیطان بھی، پتھر، بت بھی یا کوئی اور چیز بھی کہ جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہو۔“

جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”طاغوت ہر کاہن، شیطان اور گمراہی کے سرغنہ کو کہا جاتا ہے۔ گمراہی کے لحاظ سے یہ مفرد کا معنی بھی دیتا ہے اور جمع کا بھی۔ طاغوت کا مفرد ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں پایا جاتا ہے:

﴿أَيْرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ (النساء : ٦٠)

”اور چاہتے یہ ہیں کہ طاغوت کے پاس فیصلہ کروانے جائیں۔“

اس کا وہ معنی جو جمع کا فائدہ دیتا ہے اسے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

﴿أُولَیَّاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ﴾ (البقرة: ۲۵۷)

”اور کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں“

حدیث میں آتا ہے: ((من سعی على والديه ففي سبيل الله، ومن سعی على عياله ففي سبيل الله [ومن سعی على نفسه ليعفها فهو في سبيل الله] ومن سعی مكاثراً ففي سبيل الطاغوت، وفي رواية: سبيل الشيطان.)) ❶

① اسے بزار، ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ بات کہ ”طاغوت ہونے سے کافر ہونا لازم نہیں آتا“ کہنے والے کا مقصد اگر تو یہ ہے کہ انبیاء و صالحین اور دیگر مخلوقات کہ جن کی عبادت کی جاتی ہے جیسے سورج اور چاند وغیرہ طاغوت تو ہیں مگر کافر نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں پر لفظ طاغوت کا اطلاق ہی درست نہیں ہے۔ بلکہ یہاں طاغوت شیطان ہے جو ان کی عبادت کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ اسی نے مشرکوں کے دلوں میں یہ بات بٹھائی ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی شریک ہیں۔ کل قیامت کے دن انبیاء و صالحین ان کے شرک سے برات کر دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾

(فاطر: ۱۴)

”اور قیامت کے دن وہ تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر دیں گے۔ آپ کو

کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔“

﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا

الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (یونس: ۶۶)

”اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ محض بے سند

خیال کی اتباع کر رہے ہیں اور محض الکلیں لگا رہے ہیں۔“

اور اگر یہ بات کہنے والا (کہ کسی کے طاغوت ہونے سے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ کافر

بھی ہو) کا مقصد یہ ہے کہ وہ طواغیت کہ جنہیں لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے اور وہ اپنی عبادت

پر راضی ہیں یا جن کی لوگ ایسی اتباع اور اطاعت کرتے ہیں کہ جو اکیلے اللہ کا حق اور اس کی

عبادت ہے، یا جنہیں اللہ کے سوا قانون ساز تسلیم کر لیا گیا ہے وہ طواغیت کافر نہیں ہیں۔ تو یہ

بات اور نظریہ بذات خود کفر ہے اور یہ کھلی جہالت اور واضح گمراہی ہے۔

الغرض طواغیت کو کافر نہ کہنے والا شخص متشابہات کی اتباع کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنے

تئیں یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ اس نے ان طواغیت کو مسلمان اور مومن ثابت کرنا ہے جو طواغیت

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں۔ جو اللہ کے راستے سے روکنے والے اور دین میں ٹیڑھ پن پیدا کرنے والے ہیں، جو اللہ کی شریعت کو (ضعفی قوانین کے ساتھ) بدلنے والے ہیں۔ جو اللہ کے دشمنوں سے دوستیاں کرنے والے ہیں، جو اس زمین پر فسادِ عظیم برپا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شخص طواغیت کو مومن اور مسلم ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اور اس کی خاطر وہ علماء کے کلام میں متشابہ باتوں کو اس طرح تلاش کرتا ہے کہ جس طرح وہ لوگ قرآن کی متشابہات کے پیچھے بھاگتے ہیں کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔

(یہ طاغوت کو مسلمان کہنے والا) دیکھ رہا ہے کہ یہ طواغیت ہر آنے والے دن اپنی سرکشی میں بڑھتے جا رہے ہیں، انہیں اللہ سے ڈرایا جاتا ہے مگر یہ اس سے دور ہی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر یہ طواغیت کفار کو راضی کرنے کے لیے ہر کفر و ارتداد کے کام کا ارتکاب کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ یہود اور صلیبیوں (جو کہ ان کے دوست ہیں) کو راضی کرنے کے لیے اللہ کے دین کو نیست و نابود کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں۔ (اس کے باوجود ان طواغیت کا دفاع کرنا یقیناً بہت بڑی ہلاکت کی بات ہے جس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔ واللہ اعلم و صلی اللہ علی نبینا و علی آلہ و صحبہ۔ (موقع الشیخ حامد بن عبد اللہ العلی) شیخ عبد الرحمن شا کر نعم اللہ اپنی کتاب الطاغوت میں لکھتے ہیں:

”طاغوت نہ صرف کافر ہوتا ہے بلکہ رأس الکفر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سرکش ان حدوں کو پھلانگتا ہے جو بعینہ کفر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان طاغوت اور اس کے ہم نواؤں سے برأت اور عداوت رکھنے پر ہی معتبر ہوتا ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرة: ۲۵۷)

”اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ انہیں (کفر و شرک کے)

اندھیروں سے نکال کر (اسلام کی) روشنی کی طرف لے آتا ہے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کے دوست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے ہی لوگ اہل جہنم ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“

اللہ ان لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جاتا ہے جو طاغوت سے کفر کرتے ہوئے ایمان لائیں، جبکہ طاغوت کا وصف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نور سے اندھیروں کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسے سرکش کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے (کہ وہ مسلمان ہو سکتا ہے) جو لوگوں کو ایمان سے ہی نکال کر کفر کی طرف لے جاتا ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو صرف مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے مولات رکھنے کے بارے میں خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدة: ۵۱)

”اگر تم میں سے کسی نے ان کو دوست بنایا تو وہ بھی انہیں میں سے ہے۔“
اس آیت میں کافروں کے کفر کی علت طاغوت سے ولاء بتائی گئی ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کے بھائی بند طواغیت ہوتے ہیں۔

کیا خوب بات ہے کہ طاغوت سے جو ولاء رکھے وہ تو کافر ہوں اور طاغوت بذات خود کافر نہ ہوں! اس کے بعد تو ہم ان کے لیے یہی آیت پڑھنا چاہیں گے جو ناحق طاغوت کا دفاع کرتے ہیں:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْبَىٰ الْأَبْصَارَ وَلَكِنْ تَعْبَىٰ الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾

(الحج: ۴۶)



خاتمہ

ان کلمات کے ساتھ ہم آپ کو الوداع کہتے ہیں اور انہیں آپ کے پاس بطور امانت رکھ رہے ہیں کیونکہ اللہ کی قسم! ہم آپ کے خیر خواہ ہیں، آپ پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور آپ کے بارے میں بڑے غیرت مند ہیں۔ اس لیے جو کلمات اس کتاب کے مقدمہ اور درمیانی صفحات میں ذکر کیے گئے ہیں انہیں یاد دہانی کے طور پر دوبارہ دہرایا جا رہا ہے۔

یاد رکھئے! تمام اصولوں میں سب سے بڑا اصول اور سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ عبادت کے تمام طریقوں میں خواہ وہ اصول ہوں یا فروع صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور کفر بالطاغوت کیا جائے۔ یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے بغیر اسلام کی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی عمل قبول ہو سکتا ہے۔ اسی سے انسان کی زندگی کی ابتدا ہونی چاہیے اور اور یہی اس کی انتہا ہو۔ اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا، رسولوں کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں، آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اسی پر دوستی اور دشمنی قائم ہونی چاہیے اور اسی کے لیے جہاد و قتال کرنا چاہیے۔ دور نبوی اور قرون مفضلہ میں ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت ہی وہ عظیم مقصد تھا۔ جس کی خاطر تلواریں بے نیام ہوتی رہیں، لشکر بھیجے جاتے رہے اور فوجیں تیار کی جاتی رہیں۔ اسی بنا پر دوستی اور دشمنی قائم کی جاتی رہی اور جنگ اور امن کا اعلان کیا جاتا رہا۔ اسی کی خاطر خون بہایا گیا اور جانیں قربان کی گئیں اور ہر قیمتی اور نفیس ترین چیز قربان کر دی گئی۔

دنیا کے تمام طاغوتوں کے ساتھ سب سے پہلے اس چیز کا فیصلہ ہونا چاہیے کہ اس کائنات میں سچا معبود کون ہے؟ اللہ تعالیٰ جو کہ اکیلا اور زبردست ہے یا طاغوت؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اغماض نہیں برتا جا سکتا خواہ اسی ایک مسئلہ کے حل ہونے میں ساری زندگی

کیوں نہ صرف ہو جائے۔ اس مسئلے کو چھوڑ کر ہم کسی دوسرے مسئلے کی طرف خواہ وہ کسی قدر بڑا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک راغب نہیں ہو سکتے جب تک ہم لوگوں سے اس بات کا فیصلہ نہ کر لیں کہ معبود حقیقی کون ہے؟

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کے میدان میں مشغول بہت سے ایسے لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس اہم ترین مسئلے کو حل کیے بغیر دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اس بنیادی مسئلے کو چھیڑتے ہی نہیں اور فروعات اور فقہی اختلافی مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی اس دعوت پر طاغوت کی طرف سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی کوششیں کس طرح بار آور ثابت ہو سکتی ہیں یہ تو اس بنیاد کو ہی فراموش کیے ہوئے ہیں جس پر دعوت و تبلیغ کی عمارت کا انحصار ہے۔ ایسے طریقے کو اختیار کرنے والے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بغیر جڑوں کے گھنی شاخوں والا اور تناور درخت لگانا چاہتا ہو۔ حالانکہ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ جڑ کے بغیر درخت نہ تو اگ سکتا ہے، نہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی ثمر آور ہو سکتا ہے۔

اس میں ان لوگوں کے لیے نصیحت اور راہنمائی ہے جو خلافت راشدہ کا نظام قائم کر کے معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کے خواہاں ہیں: اگر تم نے اپنی ذات، اپنی جماعت اور لوگوں کی عمومی زندگی کے بارے میں اس اہم شرط کو پورا نہ کیا، اسے اپنا مقصد عظیم نہ بنایا اور جن اہم ترین امور کو تم سب سے پہلے کرنا چاہتے ہو ان میں اسے سرفہرست نہ رکھا تو یاد رکھو تمہاری ساری سعی اور کوشش بے مقصد اور لا حاصل اور سراب کے پیچھے دوڑنے کے مترادف ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ میں یہ اسلوب انبیاء کے منہج کے خلاف بھی ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام میں اس مسئلے کو ایک خاص توجہ دی جاتی رہی ہے اور یہ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ رہا ہے۔

جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس میں نصیحت ہے، اور اس کے لیے بھی جو متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو

قبول فرمائے، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے، ہمیں دین پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس تحریر کو میرے لیے اور تمام لوگوں کے لیے نفع مند بنائے۔ بے شک وہ دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلی اللہ علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

